تعلق کی سائنس

SCIENCE OF RELATIONSHIP

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

دار الفکر الاسلامی

نام کتاب: تعلق کی سائنس

مصنف: ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

ناشر: دار الفکر الاسلامی

صفحات: 80

قیمت: 100روپے

طبع اول: مارچ،2019ء

ای میل: mzubair@cuilahore.edu.pk

hmzubair2000@hotmail.com

مصنف کی کتب کے ملنے کا پتہ:

☆ عبد المتین مجاہد:36-K،ماڈل ٹاؤن،لاہور۔0300-4199099

☆ مجلس تحقیق اسلامی،99-J،ماڈل ٹاؤن،لاہور۔042-35839404

☆ قرآن اکیڈمی،یسین آباد،فیڈرل بی ایریا،کراچی۔021-36337361

مصنف کی دیگر کتب:

☆ وجود باری تعالی: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں

☆ صالح اور مصلح: کتاب وسنت اور سلف صالحین کے منہج پر تزکیہ نفس اور اصلاح احوال کا پروگرام

☆ اسلام اور مستشرقین

☆ مولانا وحید الدین خان: افکار ونظریات

☆ فکر غامدی: ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ

☆ عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج

مصنف کی جملہ کتب کے پی ڈی ایف ورژن کا ڈاؤن لوڈ لنک:

http://kitabosunnat.com/musannifeen/muhammad-zubair-temi.html

تعلق کی سائنس

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر
اسسٹنٹ پروفیسر، کامساٹس یونیورسٹی اسلام آباد، لاہور کیمپس، لاہور
ریسرچ فیلو، مجلس تحقیق اسلامی، ماڈل ٹاؤن، لاہور
ریسرچ فیلو، شعبہ تحقیق اسلامی، قرآن اکیڈمی، لاہور

دار الفکر الاسلامی

لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
In The Name Of Allah, The Most Beneficent, The Most Merciful

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [الروم: 21]

''اور اللہ عزوجل کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے اپنے نفس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور اسی نے تمہارے مابین محبت اور رحمت ڈال دی، بے شک اس میں نشانیاں ہیں، ایسی قوم کے لیے جو غور و فکر کرتی ہے۔''

انتساب

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بہت زیادہ ذکر خیر کرتے اور مجھے اس پر بہت غیرت آتی۔ اور میں بعض اوقات کہتی، لگتا ہے کہ دنیا میں خدیجہ کے علاوہ کوئی دوسری عورت موجود نہیں ہے۔ [صحیح بخاری]

فہرست مضامین

مقدمہ

" تعلق کی سائنس " چند تحریروں کا مجموعہ ہے جو پہلے پہل فیس بک ٹائم لائن پر شیئر کی تھیں تو بہت سے دوستوں کا تقاضا تھا کہ انہیں ایک کتابچے کی صورت جمع کر دیا جائے تو اس غرض سے ان دس تحریروں کو ایڈیٹنگ اور حک واضافے کے بعد ایک کتابچے میں جمع کیا گیا ہے۔ فیس بک کا اپنا ایک مزاج ہے لہذا بہت سی چیزیں وہاں لکھنے میں چل جاتی ہیں لیکن کتابی صورت میں انہیں بیان کرنا مناسب نہیں ہوتا لہذا میں جب بھی فیس بک کی تحریروں کو کتابی صورت میں شائع کرتا ہوں تو ان کی کافی کچھ ایڈیٹنگ کرتا ہوں۔

بعض دوستوں نے پوچھا تھا کہ ہم محبت اور تعلق کے موضوع پر آپ کی فیس بک کی تحریروں کو واٹس ایپ گروپس میں شائع کر دیں تو میں نے منع کر دیا تھا۔ اب وہ اس کتابچے کو واٹس ایپ گروپس میں شیئر کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فیس بک پر عموما ایک پوسٹ کی لائف دو سے تین دن ہوتی ہے اور فیس بک کی تحریروں میں بعض باتوں کا کرنا اسی لیے گوارا کر لیا جاتا ہے کہ ان کی زندگی کا دورانیہ کم ہوتا ہے مثال کے طور فیس بک کی تحریروں میں کچھ ایسے واقعات آ گئے تھے کہ جن کا تعلق میری خوبی کے بیان سے تھا تو میں نے انہیں کتابچے میں حذف کر دیا ہے۔

مجھے شرعی مسئلہ یہی معلوم پڑتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی تعریف میں کچھ کہنا چاہے تو مخصوص حالات میں اس کا جواز نکلتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص سخت مایوسی کی کیفیت میں ہو یا ڈیپریشن میں ہو تو ایسے حالات میں اپنے آپ کو حوصلہ دینے کے لیے یا کھڑا کرنے کے لیے یا مایوسی کے اندھیرے سے نکالنے سے اپنی کچھ خوبیوں کا اپنے دوستوں کے سامنے تذکرہ کر دے تو حرج

نہیں کہ یہاں یہ تعریف اس کے لیے شر کا باعث نہیں بنے گی بلکہ اسے نقصان سے بچانے کا سبب بن جائے گی، ان شاء اللہ عزوجل، بشرطیکہ جھوٹ اور مبالغہ نہ ہو۔ رہا ہر وقت اپنی تعریفوں میں لگے رہنا تو یہ بھی مناسب بات نہیں ہے۔ تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک ہی بات کو دیکھنے کے کئی زاویے ہو سکتے ہیں، وہاں فیس بک پر ایک اعتبار سے وہ بات درست تھی، لیکن یہاں کتابچے میں اس کا کرنا صحیح معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن ابھی بھی خدا سے تعلق کے عنوان کے تحت ایک دو ذاتی تجربات کا بیان آ گیا ہے تو اسے برداشت کریں، یہ برداشت آپ کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بن جائے گی، ان شاء اللہ عزوجل۔ جزاکم اللہ خیرا

ابوالحسن علوی

1- تعلق کی فلاسفی (Philosophy of Relationship)

تعلق پر گفتگو کرنے سے پہلے تعلق کی فلاسفی کو سمجھنا ضروری ہے۔ اسلامی تناظر میں اگر ہم گفتگو کریں تو ایک لفظ میں تعلق کی فلاسفی "آزمائش/امتحان" ہے۔ اللہ عزوجل نے تعلق کو ہماری آزمائش/امتحان کے لیے پیدا کیا ہے۔ آزمائش/امتحان کو آپ تعلق سے کسی صورت جدا نہیں کر سکتے، کسی بھی تعلق سے۔ یہ دونوں یعنی تعلق اور آزمائش/امتحان آپس میں لازم وملزوم ہیں کہ جہاں تعلق ہے وہاں آزمائش/امتحان لازما ہے۔ تو انسانی تعلق راحت بھی ہے اور اذیت بھی۔ محبت بھی اس کی ایک جہت ہے اور نفرت بھی اس کا لازمہ ہے۔ اور دونوں صورتوں میں ہی یہ آزمائش ہے، کبھی محبت کی صورت میں تو کبھی نفرت کی صورت میں۔ کبھی پروردگار ہمیں محبت سے آزماتے ہیں اور کبھی نفرت سے۔ اور دونوں قسم کے جذبات میں اعتدال پر رہنا ہی آزمائش/امتحان میں کامیابی ہے اور یہی اعتدال انسان سے مطلوب ہے۔

تو محبت اور نفرت انسانی تعلق کے قطب شمالی اور جنوبی (North-&-South-Poles) ہیں۔ اور اس تعلق کی آزمائش/امتحان میں کامیابی یہ ہے کہ آپ تعلق کی ان دونوں جہتوں (dimensions) یعنی محبت اور نفرت کو اللہ کی بنیاد پر کھڑا کر کے دکھا دیں جیسا کہ سنن ابو داؤد کی صحیح حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اور اللہ کے لیے نفرت کی، جس نے اللہ کے لیے کسی کو کچھ دیا، اور جس نے اللہ کے لیے کسی کو کچھ نہ دیا، تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ ہمارے خدا نے ہمیں انسانوں سے محبت اور نفرت سے منع نہیں کیا بلکہ بعض جگہ پر اس کا حکم بھی دیا ہے لیکن ہمارا خدا اس حوالے سے بہت غیرت مند ہے کہ اس کو نظر انداز (By-Pass) کر کے ہم کسی تعلق میں جڑ جائیں، چاہے وہ چیزوں سے ہو یا اپنے جیسے انسانوں سے۔ تو جس محبت اور نفرت کو ہم خدا کی ذات کو نظر انداز کرتے ہوئے قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اپنے نتیجے میں ایک ایسا درد (pain) بن جاتا ہے جو نہ نگلا جاتا ہے اور نہ ہی اگلا جاتا ہے۔

تو جس تعلق میں، چاہے وہ محبت کا ہو یا نفرت کا، خدا سینٹرل ریفرنس نہ رہ جائے، تو اس تعلق میں کس منہ سے تم خدا سے مدد مانگ سکتے ہو کہ وہ تمہیں اس تعلق میں کامیابی دے یا اس سے تمہاری جان چھڑا دے۔ دیکھو، خدا نے تم سے اپنے لیے تعلق مانگا ہے، اور اپنے لیے ایسا تعلق مانگا ہے کہ وہ تعلق تمہارے تمام تعلقات کا سینٹرل ریفرنس بن جائے۔ تو جب تم نے اسے اس کا تعلق نہیں دیا جبکہ اس نے تم سے وہ تعلق مانگا تھا، یا تو مانگا نہ ہوتا تو اور بات تھی، اور تم نے وہ تعلق جو کہ خدا کا حق تھا، مخلوق میں سے کسی کو دے دیا، تو اب اس کو اس پر غیرت نہ آئے گی تو کیا آئے گا! اسی لیے تو اللہ عزوجل نے سورۃ التوبہ میں کہا کہ اے اہل ایمان، اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں/ شوہر، خاندان، مال ودولت، تجارت وکاروبار اور گھروں کی محبت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے زیادہ ہو جائے تو پھر انتظار کرو کہ اللہ ایسے فاسقوں کو سیدھا رستہ نہیں دکھانے والا۔ تو خدا نے ہر تعلق میں اپنے تعلق کو سینٹرل ریفرنس بنانے پر بالکل بھی کمپرومائز نہیں کیا ہے، ذرا برابر بھی نہیں! اور یہاں اس آیت میں آٹھ تعلقات کا بیان ہے؛ پانچ قریبی ترین رشتوں اور تین محبوب ترین اشیاء سے تعلق۔ اور آٹھوں تعلقات میں سے کسی ایک تعلق کا بھی خدا کے تعلق سے بڑھنا برداشت نہیں کیا یعنی اس کی محبت کو۔

باقی عمل میں کوتاہی کو قبول کیا ہے اور اس کا مارجن بھی دیا اور توبہ کا رستہ بھی کھلا رکھا ہے لیکن تم میرا تعلق کسی اور کو دے دو، تو پھر مجھ سے دور رہو، یہ انداز ہے۔ اور اللہ کے تعلق سے مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل ہمارے ہر تعلق کا سینٹرل ریفرنس بن جائے اور اس تعلق مع اللہ کا درجہ کمال یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی حسی محبت سب سے بڑھ جائے۔ اب یہاں اصل سوال یہ ہے کہ خدا سے حسی محبت کیسے ممکن ہے جبکہ اسے نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ اس کا تصور کر سکتے ہیں اور ہماری حسی محبت کا سارا نظام حواس (senses) پر کھڑا ہے کہ مجھے بچے کو دیکھ کر، سینے سے لگا کر، محسوس کر کے، سونگھ کر، اپنے سینے میں محبت محسوس ہوتی ہے؟ اور یہ سب خدا کے ساتھ ممکن نہیں ہے بلکہ اس کا تو تصور کرنا بھی گناہ ہے۔ تو اتنی ایبسٹریکشن کے ساتھ

کسی سے بے پناہ محبت کیسے ممکن ہے کہ میں اس کا تصور بھی نہ کروں اور اس سے بے پناہ محبت بھی رکھوں؟ اس الجھن کو ہم آگے چل کر کھولتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں خدا سے ایسی حسی محبت پیدا کرنی ہے جیسی کسی سے نہ ہو اور یہی ایمان کا کمال ہے۔ جب اللہ عزوجل ہر تعلق کا سینٹرل ریفرنس بن جائے گا تو پھر وہ تعلق نہ تو دنیا میں ایسی تکلیف اور اذیت کا باعث بنے گا کہ جس سے کوئی ذہنی خلل (abnormality) جنم لے اور نہ ہی آخرت میں خسارے کا باعث ہو گا۔ تو چیزوں سے بھی تعلق رکھنا ہے اور انسانوں سے بھی لیکن خدا کو واسطہ بنا کر، براہ راست نہیں۔ تو یہ تعلق راحت بھی دے گا اور خوشی بھی، چاہے محبت کا ہو، بھلے نفرت کا ہو۔ تو ایک لفظ میں مسئلے کا حل "لا تعلق۔ تعلق" ہے جیسا کہ لا الہ الا اللہ میں ہے۔ پہلے سب چیزوں سے لا تعلّقی کا اظہار کریں یعنی تعلق منقطع کر لیں اور مطلق لا تعلّقی کی کیفیت میں چلے جائیں، اور پھر اللہ کو سینٹرل ریفرنس بنا کر تعلق جوڑتے اور بناتے چلے جائیں تو ہی آپ تعلق کی اذیت اور تکلیف سے نکل سکتے ہیں ورنہ نہیں کہ خدا کے لیے کسی تعلق کو جوڑنا اور جوڑنے رکھنا آسان ہوتا ہے اور اپنی ذات یا نفس کے لیے کسی تعلق کو نبھانا یا جاری رکھنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ تو خدا کے احسانات ہی اتنے ہیں کہ ہم اس کے نام پر تو کسی تعلق کو چلا سکتے ہیں، لیکن ذاتی لین دین کے اصول پر چلانا ممکن نہیں ہے۔

اور خدا کے نام پر کوئی تعلق تبھی چل سکتا ہے جبکہ خدا اس تعلق کے لیے سینٹرل ریفرنس ہو۔ سورۃ النساء کے آغاز میں اللہ عزوجل نے مرد عورت کے تعلق میں ایک تو تقوی کا حکم دیا ہے اور دوسرا یہ حوالہ بھی دیا کہ یہ تعلق تم خدا کے نام پر مانگتے ہو یعنی مرد اور عورت میں نکاح کا تعلق خدا کے ریفرنس سے قائم ہوتا ہے لہٰذا اگر اسے چلانا چاہتے ہو تو خدا کو اس تعلق میں مسلسل سینٹرل ریفرنس بنائے رکھو۔ یہ ارشاد سورۃ النساء کے آغاز میں ہے کہ جس کا معنی "عورتیں" ہے۔ اور انسان کا تمام نظام تعلق جس ایک تعلق کے مرہون منت ہے تو مرد کا عورت سے تعلق ہے یعنی میاں بیوی کا تعلق۔ اور انسانی تعلقات میں سے اسی تعلق کو قرآن

مجید نے سب سے زیادہ فوکس کیا ہے اور قرآن مجید میں سب سے زیادہ احکامات بھی اسی تعلق کی نسبت سے ہیں۔ تو انسانی تعلقات میں سب سے اہم تعلق مرد کا عورت سے تعلق ہے۔ اور اس تعلق کو چلانے کا بنیادی ترین اصول اللہ عزوجل نے یوں بیان فرمادیا کہ اس اللہ عزوجل کا تقوی اختیار کرو یعنی اس اللہ سے ڈرتے رہو کہ جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو یعنی رشتہ مانگتے ہو کیونکہ نکاح کے ذریعے میاں بیوی کا تعلق اللہ کے نام پر قائم ہوتا ہے لہٰذا اللہ عزوجل نے اس تعلق میں اپنے آپ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا ہے یعنی اللہ کو سینٹرل ریفرنس بنائے رکھنے کا۔

-2 تعلق کا اصول الاصول (The Prime Principle of Relationship)

آپ کے تعلق کا بنیادی اصول کیا ہے یعنی وہ اصل اور بنیاد کیا ہے، جس پر آپ ایک تعلق کو گھمائے یا چلائے جا رہے ہیں یا گھمانا یا چلانا چاہتے ہیں؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ دیکھیں! تعلق کی بنیادیں بہت سی ہو سکتی ہیں، بعض طبعی ہیں اور بعض غیر طبعی۔ طبعی تعلق اس کو کہتے ہیں جو انسانی طبیعت کا حصہ ہے اور اس تعلق کو قائم کرنے کے لیے انسان کو محنت نہیں کرنی پڑتی جیسا کہ والدین سے محبت، اولاد سے محبت، بہن بھائیوں سے محبت وغیرہ۔ تو یہاں تو تعلق کی واحد وجہ وہ رشتہ ہوتا ہے کہ جسے قائم کرنے میں آپ کا کچھ اختیار نہیں ہے جیسا کہ آپ کے پاس یہ اختیار ہی نہیں ہے کہ میں فلاں کی اولاد ہو سکتا ہوں یا نہیں۔ اب تو آپ فلاں کے گھر پیدا ہو چکے لہٰذا اب یہ کہنے کا فائدہ نہیں کہ کاش میں فلاں کی اولاد نہ ہوتا۔ تو پہلی قسم کے تعلقات یعنی طبعی تعلقات ہم بناتے نہیں ہیں کہ ہمارے پاس ان میں کوئی چوائس نہیں ہے تو ہم ان کے بنانے میں نہیں البتہ ان کے چلانے میں کچھ اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ البتہ کچھ تعلقات ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں ہم انسان قائم کرتے اور بناتے ہیں جیسا کہ شادی کا تعلق، دوستی کا تعلق، استادی شاگردی کا تعلق، پڑوسی کا تعلق، کاروباری تعلق وغیرہ۔ اور اس تعلق کو ہم کچھ اصولوں کی بنیادی پر قائم بھی کرتے ہیں اور چلاتے بھی ہیں۔

تو انسانوں سے تعلقات میں یہ دوسری قسم کے تعلقات دراصل ہمارے تمام نظام تعلق کی اصل بنیاد بن رہے ہوتے ہیں کہ یہ تعلقات ہمیں تعلق بنانا بھی سکھا رہے ہوتے ہیں اور چلانا بھی۔ پہلی قسم کے تعلقات میں ہم مجبور ہوتے ہیں کہ نہ تو ہمیں انہیں بنانے کا اختیار ہے اور نہ ہی توڑنے کا لہٰذا ہمیں بس انہیں چلانا ہی ہے۔ اور یہی ان طبعی تعلقات کی اصل آزمائش ہے کہ ہر حال میں انہیں چلانا ہے کہ قطع رحمی یعنی رشتہ داری توڑنے اور قطع تعلّق کرنے سے ہمارے دین میں سختی سے منع کیا گیا ہے۔ تو کچھ تعلقات ہم پر لاد دیے گئے ہیں اور پھر کہا گیا ہے کہ ان کا بوجھ اٹھا کر دکھا دو اور یہی تمہاری کامیابی ہے۔ تو ہم نے یہاں بوجھ اٹھوانے کا لفظ ان کے لیے استعمال کیا کہ جن کے اپنے بہن بھائیوں سے تعلقات اچھے نہیں ہیں یا والدین کو اولاد اور اولاد کو والدین سے شکایات ہیں اور کسی وجہ سے ہیں۔ تو ایک انسان تمہیں دے بھی کیا سکتا ہے؟ کچھ نہیں۔ ایک انسانی تعلق کتنا پائیدار ہو سکتا ہے؟ ہر تعلق کی تقدیر زوال ہے۔ ایک ہی پلیٹ میں کھانے والے بہن بھائیوں کی محبت کس قدر مثالی ہوتی ہے لیکن جیسے ہی شادیاں ہوتی ہیں اور اولادیں بڑی ہو جاتی ہیں تو جائیداد اور رشتوں کے جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔

ماں کی بیٹے سے محبت کس قدر مثالی ہوتی ہے لیکن جیسے ہی اس کی بیوی آتی ہے، ماں کی محبت، درد (pain) میں بدل جاتی ہے۔ تو کیا ماں نے اس دن کے لیے محبت کی تھی کہ اس کا بیٹا اس کی بجائے کسی اور عورت سے محبت کرے گا؟ تو یہ ایک اہم سوال ہے۔ اس سوال کا سیدھا سادا جواب تو یہی ہے کہ ہر تعلق آزمائش ہے اور یہی ہماری اس تحریر کا بنیادی ترین نکتہ ہے کہ کوئی بھی تعلق آزمائش سے خالی نہیں ہے۔ ماں کے تعلق کی آزمائش یہی ہے کہ وہ اپنا تعلق بیٹے کو دے کر یہ دیکھتی رہ جائے کہ اس کا بیٹا اپنا تعلق اپنی بیوی کو دے رہا ہے۔ لیکن یہ تو ماں کی آزمائش ہے جبکہ بیٹے کی آزمائش یہ ہے کہ اسے اپنی بیوی کے ساتھ اپنی ماں کا کرنا ہے جبکہ اس کا طبعی میلان اپنی بیوی کے کرنے کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت، مرد سے نکلی ہے یعنی آدم کی پسلی سے حواء پیدا ہوئی ہے لہٰذا مرد کا عورت کی طرف میلان (inclination) طبعی اور فطری ہے۔ تو مرد اپنی بیوی کا کرتا ہے اور اس کرنے کے لیے اسے

اپنے پر جبر نہیں کرنا پڑتا بلکہ خوشی سے کرتا ہے جبکہ دین میں والدین کے کرنے کا بار بار کہا جاتا ہے اور ان کے کرنے پر اجر وثواب کے وعدے دیے جاتے ہیں۔

تو نسبی اور خونی رشتے تو وہ رشتے ہیں کہ جنہیں ہم نہ تو توڑ سکتے ہیں اور نہ ہی ختم کر سکتے ہیں اور ان کا مقدر بھی زوال ہے تو وہ رشتے جو ہم اپنی مرضی سے قائم کرتے ہیں، ان کی تقدیر کیسے عروج ہی عروج ہو سکتی ہے؟ جس طرح ایک نئی چیز آپ کو چار دن خوشی دیتی ہے، اسی طرح ایک نئے رشتے کا بھی سرور ہوتا ہے۔ آپ نیا موبائل لے لیں، چار دن اس کے ساتھ کھیلیں گے، خوش بھی رہیں گے، پھر وہ پرانا ہو جائے گا۔ اب آپ کو ایک نئی خوشی کے لیے ایک نیا کھلونا چاہیے جیسا کہ ایک بچے کا دل دو دن بعد ایک کھلونے سے اکتا جاتا ہے۔ یہ انسان کے نظام تعلق کا المیہ ہے کہ وہ خوش رہنے کے لیے ہر وقت ایک نئے تعلق کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے جبکہ خوشی پھر بھی اس کا مقدر نہیں بنتی۔ تو شوکیس میں پڑے ہوئے موبائل سے شاید ایک سال بھی تعلق قائم رہ جائے لیکن جیسے ہی وہ ہاتھ میں آیا تو یہ تعلق چار دن سے زیادہ نہیں رہے گا۔ چار دن کے بعد تعلق تو ہو گا لیکن وہ روٹین کا تعلق بن جائے گا یعنی اس میں کوئی دلکشی (charm) نہیں رہ جائے گا۔ یہی صورت حال نئی گاڑی اور نئے گھر کی بھی ہوتی ہے کہ جب تک آپ اس کے حصول کی جستجو میں رہتے ہیں تو آتش شوق بھڑکتی رہتی ہے اور جیسے ہی وہ چیز ہاتھ میں آ جاتی ہے تو آگ جیسے ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ محبوبہ یا معشوق کی محبت بھلے دس سال کی ہو لیکن جب تک فراق ہے تو محبت کی طلب سلگتی رہتی ہے لیکن جیسے ہی وصال نصیب ہوتا ہے تو ایک ہی بوسے میں وہ سب بخار اتر جاتا ہے جسے عشق کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی لیے تو شادی کے بعد نہ محبوبہ رہتی ہے اور نہ ہی معشوق۔ تو محبت کی لذت لینی ہے تو فراق میں تڑپنا آپ کا مقدر ہے ورنہ وصال کی صورت اس تعلق کا زوال۔

میں اور آپ ایسے بہت سے لوگوں کو جانتے ہوں گے کہ شادی کے لیے ایک دوسرے پر مرتے تھے، جان نکلتی تھی، اپنے خون سے اپنے محبت نامے لکھتے تھے لیکن شادی کے چند سال بعد گالم گلوچ اور لعن طعن کی زندگی کے سوال کچھ نظر نہیں آتا۔ اس زوال سے صرف ایک

انسانی تعلق مستثنی ہے کہ جس کا سینٹرل ریفرنس خدا بن چکا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف قرآن مجید کہتا ہے کہ قیامت کے دن انسان اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا جیسا کہ سورۃ عبس میں ہے۔ اور دوسری طرف قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ قیامت والے دن دوست بھی کام آئیں گے جیسا کہ سورہ الزخرف میں ہے بلکہ وہاں الفاظ یہ ہیں کہ قیامت والے دن خلیل یعنی جگری دوست، ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔ پہلا نقطہ تو یہ ہوا کہ جس رشتے کی بنیاد تقوی یعنی اللہ کا ڈر ہو گا، وہ دنیا تو کیا قیامت کے دن بھی راحت کا باعث بن جائے گا، بھلے اختیاری رشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا نقطہ یہ ہے کہ عربی میں محبت کے لیے درس درجات ہیں اور محبت کا آخری درجہ "خلت" ہے کہ یہ ایسی محبت ہے جو انسان کے رگ وپے میں سما جائے اور اسی سے لفظ خلیل بنا ہے۔ اور ایسی انسانی محبت سے منع نہیں کیا گیا بشرطیکہ اس کا سینٹرل ریفرنس خدا ہو۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ میں نے اگر کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن میں نے صرف اللہ عزوجل کو اپنا خلیل بنایا ہے۔ تو اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں مس سے کسی کو خلیل بنانا منع نہیں ہے البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے اسے پسند نہیں کیا کہ محبت کا یہ درجہ صرف اپنے اور اللہ عزوجل کے تعلق کے لیے خاص رکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعض رشتوں سے اخیر محبت (extreme-love) تھی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا سے بے پناہ محبت تھی اور اسی محبت کی وجہ سے ہی ان کے قاتل حبشی رضی اللہ عنہ کو آپ نے کہا تھا کہ آئندہ میرے سامنے مت آنا کہ تمہیں دیکھ کر میں ڈسٹرب ہو جاتا ہوں حالانکہ حبشی تائب ہو چکا، اسلام قبول کر چکا، اور اس کا گناہ معاف ہو چکا۔ اور پھر وہ اللہ کا بندہ ساری زندگی آپ کے سامنے نہیں آیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی کا ارادہ کیا تو صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تکلیف میں خطبہ دے دیا حالانکہ دوسری شادی جائز تھی کہ دیکھو! میں نے فلاں کو بیٹی دی، اس نے اتنا دھیان کیا، فلاں کو دی، اس نے اتنا دھیان کیا

۔ میں علی رضی اللہ عنہ کے لیے حلال کو حرام تو نہیں کرتا لیکن آپ نے اپنی تکلیف کا اظہار کیا۔ تو یہ بیٹی سے اخیر محبت تھی ناں۔ تو خدا کے سینٹرل ریفرنس ہونے کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ انسانوں سے محبت نہیں ہو سکتی، بس اتنا ہے کہ کسی انسان کی محبت، حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کر دے۔ اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کا استعمال ترک کر دیا تو اللہ عزوجل نے سورۃ تحریم میں کہا کہ اے نبی! کیا آپ اپنی بیویوں کی رضامندی تلاش کر رہے ہیں؟ بیوی سے تعلق سے منع نہیں کیا لیکن یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ اس تعلق کا سینٹرل ریفرنس خدا ہی رہے، اس پر اللہ عزوجل نے زور دیا ہے۔

صحیح حدیث کے مطابق حضرت مغیث اور بریرۃ رضی اللہ عنہما کی علیحدگی (separation) کے بعد مغیث رضی اللہ عنہ مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے لیکن بریرہ رضی اللہ عنہا دوبارہ تعلق نہیں چاہتی تھیں کیونکہ مغیث رضی اللہ عنہ کی شکل وصورت سادہ تھی۔ یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مغ رضی اللہ عنہ یث پر ترس آیا تو آپ نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلوا بھیجا اور کہا کہ مغیث رضی اللہ عنہ سے رجوع کر لو۔ وہ بھی سمجھدار تھیں، کہنے لگیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا حکم ہے یا مشورہ؟ تو آپ نے کہا: مشورہ ہے۔ تو کہنے لگیں: مجھے رجوع نہیں کرنا ہے۔ تو کوئی آپ کا آئیڈیل ہو گا لیکن آپ اس کے آئیڈیل نہیں ہیں ناں یا نہیں رہے لہٰذا یہ تعلق اب قائم نہیں ہو سکتا یا قائم نہیں رہ سکتا تو اس کے پیچھے بھاگنے کا فائدہ! پھر یہ کہ انسانی تعلق مال ودولت، حسب نسب، حسن وجمال کی بنیاد پر قائم ہو، اس سے منع نہیں کیا لیکن ساتھ ہی فرما دیا کہ عورت سے شادی چار وجہ سے کی جاتی ہے لیکن دین کے ساتھ کامیاب ہو جاؤ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔ تو تعلق کی بنیاد اگر مادی ہو گی تو وہ تعلق اپنی انتہاء میں لین دین ہی تو ہے۔ اور لین دین کے تعلق کا نتیجہ حساب کتاب ہی تو ہے اور کیا ہے کہ تم نے اتنا دیا اور اتنا لیا، اور میں نے اتنا لیا اور اتنا دیا! تعلق وہی چلتا ہے کہ جس میں ایک ہاتھ دینے کی پوزیشن لیے ہوئے ہو اور دوسرا لینے کی جیسا کہ والدین اور اولاد کا تعلق۔ جو تعلق باہمی لین دین کے اصولوں پر قائم ہو تو وہ تعلق کاروباری تعلق تو ہو

سکتا ہے لیکن محبت کا تعلق نہیں۔ محبت کا تعلق اس اصول پر نہیں چلتا۔ تو تعلق تعلق کے چلنے کے اصول وضوابط ہیں۔ ہم اس لمحے جس تعلق کی بات کر رہے ہیں، وہ محبت کا تعلق ہے، کاروباری نہیں۔

اور مادی (material) تعلق کہ جس میں سنٹرل ریفرنس آبجیکٹ یا محبوب ہو، کا انجام زوال ہے کہ مادے (matter) کی یہی تقدیر ہے۔ دوسرا مادی تعلق میں سینٹرل ریفرنس بھی آبجیکٹ یا آپ کا محبوب نہیں بلکہ آپ کا اپنا نفس ہی ہوتا ہے، یہ بہت اہم نکتہ ہے۔ مثلاً مادی تعلق میاں بیوی سے بھی ہو گا تو لین دین کا تعلق ہو گا اور کیلکولیٹڈ ہو گا کہ اتنا لیا اور اتنا دیا اور اسی مادی اصول پر چل رہا ہو گا اور حساب کتاب کی اذیت اس تعلق کا مقدر ہے۔ تعلق میں ایثار تو اس وقت آتا ہے جبکہ تعلق کا سینٹرل ریفرنس خدا بن جائے نہ کہ آپ کا نفس کہ آپ نے تعلق ہی دین کی بنیاد پر قائم کیا ہو۔ یہاں آپ کو نہ بھی ملے تو آپ خدا کے لیے دوسرے کا کر جاتے ہو۔ لیکن اپنے نفس کے لیے چھوڑنا بہت مشکل ہے، بہت مشکل ہے۔ تو جب تعلق میں سینٹرل ریفرنس اپنا نفس تھا تو تعلق نہ ملنے کی اذیت (pain) اخیر ہو گی۔

اور اہم بات یہ ہے کہ بعض اوقات ہم اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں کہ اس تعلق کی بنیاد خدا ہے حالانکہ اس کی بنیاد خدا نہیں بلکہ نفس ہوتا ہے۔ اور اس تعلق میں خدا کا ذکر ایک رسم کے طور تو ہوتا ہے لیکن وہ سینٹرل ریفرنس نہیں ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو کسی شیخ طریقت سے تعلق بیعت میں بھی خدا سینٹرل ریفرنس نہیں رہ جاتا، شیخ بن جاتا ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ پرانے مرید کس طرح اس نئے مرید سے حسد کی آگ میں جلتے ہیں ہیں کہ جو بعد میں آتا ہے اور شیخ کے قریب ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے صوفیاء کے احوال زندگی اٹھا کر دیکھیں تو ان کے مریدوں کے رویوں میں اپنے شیخ کی قربت حاصل کرنے کے لیے رقابت اور حسد کے جذبات نظر آئیں گے۔ بس اللہ ہی جس کی حفاظت فرمائے تو فرمائے، بندہ کچھ نہیں ہے۔ مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ کی "سوانح روم" کے مطابق مولانا روم رحمہ اللہ کے بیٹے نے ان کے شیخ شمس تبریز رحمہ اللہ کو حسد کی وجہ سے قتل کر دیا تھا۔

3- تعلق کی اہمیت اور ضرورت (The Significance of Relationship)

تعلق پر ہمارے پہلے نکتے کا خلاصہ یہ تھا کہ آزمائش/امتحان ہر تعلق کا لازمی جز ہے اور آزمائش کو آپ کسی صورت بھی تعلق سے جدا نہیں کر سکتے۔ اور آزمائش/امتحان، محبت میں بھی ہے اور نفرت میں بھی۔ اور ہر تعلق میں سکون بھی ملتا ہے اور اذیت بھی۔ اور دونوں پہلوؤں سے وہ تعلق آزمائش/امتحان ہوتا ہے کہ اس تعلق کی نہ تو راحت آپ کو خدا سے دور کرے اور نہ ہی اذیت خدا کو بھلوا دے تو یہ کامیابی ہے۔ تو یہ بھول جائیں کہ تعلق تو ہو لیکن آزمائش/امتحان نہ ہو کیونکہ ہر تعلق کی یہ تقدیر ہے کہ اس میں آزمائش/امتحان ہے۔ دوسرے نکتے میں ہم نے یہ بات کی تھی کہ تعلق کی آزمائش/امتحان میں کامیابی یہ ہے کہ اس تعلق کا سینٹرل ریفرنس خدا کو بنالیا جائے۔

سینٹرل ریفرنس بنانے کے کئی درجات ہیں۔ ان میں سے کم از کم درجہ یہ ہے کہ میری ہر محبت اور نفرت میں خدا کا حکم غالب رہے نہ کہ میری جبلت اور خواہش۔ کسی تعلق میں خدا کے لیے نفرت کے مظاہرے کر کے "البغض فی اللہ" یعنی اللہ کے لیے بغض رکھنے کے نعرے نہیں لگانے بلکہ یہ کہ جس سے نفرت ہو گئی ہے، کسی بھی وجہ سے، بھلے ذاتی وجہ ہو، اس نفرت میں بھی خدا کے حکم کو نہیں بھولنا ہے یعنی ظلم اور زیادتی نہیں کرنی تو یہ اصل میں مطلوب ہے۔ اور یہ مشکل کام ہے، کافی مشکل کہ نفرت میں بھی خدا نہ بھولنے پائے۔ اسی طرح اگر کسی سے محبت ہے یا ہو گئی ہے، بھلے کوئی بھی وجہ ہو، طبعی محبت ہو یا اتفاقی، تو اب جو ہے یا ہو گیا تو اس پر تو اختیار نہیں ہے، البتہ اس محبت کے نتیجے میں جو تعلق پیدا ہو رہا ہے، اس تعلق میں اللہ کے حکم کو غالب رکھنا ہے یعنی عدل کرنا ہے اور حرام کو حلال نہیں بنانا تو یہ یہاں اصل میں مطلوب ہے۔

اور خدا کو سینٹرل ریفرنس بنانے کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ہر محبت پر خدا کی حسی محبت غالب آ جائے۔ تو تعلقات میں آزمائش ہے لیکن اس آزمائش کا حل یہ نہیں ہے کہ تعلقات ہی سے نکل جائیں اور لاتعلّقی کی طرف مائل ہو جائیں جیسا کہ گوتم بدھا نے کہا تھا کہ ہر درد کی وجہ انسانی

تعلق ہے لہٰذا تعلق ہی سے نکل جاؤ تو دکھ سے نکل جاؤ گے۔ تو یہ زندگی کو دیکھنے کی منفی اپروچ ہے۔ انسان ایک سماجی حیوان ہے کہ جو اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ تعلق بنا کر خوش رہتا ہے، یہ بات بہت حد تک درست ہے۔ پھر انسان کا لفظ انسیت سے نکلا ہے کہ جسے اپنے جیسوں سے الفت اور محبت محسوس ہوتی ہو۔ تو مسئلے کا حل لاتعلّقی یا رہبانیت کی زندگی نہیں ہے بلکہ لاتعلّقی سے مسائل بڑھیں گے یعنی ذہنی اور نفسی مسائل۔ تو انسانوں سے تعلق بنانا اور رکھنا ہمارے نفس کا ایک فطری تقاضا ہے، جسے پورا کریں گے تو نفس راحت، سکون اور اطمینان میں رہے گا ورنہ اذیت، تکلیف اور دکھ میں زندگی گزار دے گا۔ اور نفس کا سکون اس لیے بھی مطلوب ہے کہ نفس کے اطمینان اور سکون کے ساتھ عبادت اور خدمت خلق میں یکسوئی بھی آسان ہے اور کوئی بڑا تخلیقی کام کرنا بھی ممکن ہے۔

تو کچھ تعلقات تو خدا نے ہمیں دے کر اس دنیا میں بھیجا ہے جسے قرآن مجید نے نسبی تعلق کہا ہے یعنی والدین اور بہن بھائیوں وغیرہ کا تعلق۔ اور کچھ تعلقات ہم خود سے اس دنیا میں بناتے ہیں کہ جنہیں قرآن مجید نے صہری یعنی سسرالی تعلق کہا ہے جیسا کہ نکاح وغیرہ سے قائم ہونے والے تعلقات۔ تو ہمارے تعلقات کی دو بڑی جہتیں ہیں؛ ایک خدا سے تعلق اور دوسرا انسان سے تعلق۔ خدا سے تعلق کی بحث آگے آ رہی ہے۔ رہا انسان سے تعلق تو اس کی بھی کئی جہتیں ہیں جیسا کہ نسبی/غیر اختیاری اور سسرالی/اختیاری تعلق دو جہتیں ہیں۔ ان دو جہتوں میں اختیاری تعلق ہی ہمارے نظام تعلق کی اصل اساس بن رہا ہوتا ہے۔ اور اختیاری تعلقات مثلاً میاں بیوی، استاذ شاگرد، پڑوسی، کولیگ، کاروباری شریک وغیرہ میں سب سے قریبی تعلق شریک حیات یعنی میاں بیوی کا ہوتا ہے۔ تو جس شخص کی ازدواجی زندگی (marital-life) نہ ہو، اس کا نظام تعلق کبھی معتدل نہ ہو پائے گا یعنی اتار چڑھاؤ کا شکار رہے گا۔ اور جس کی ازدواجی زندگی ڈسٹرب ہو تو اس کا پورا نظام تعلق ڈسٹرب ہو جائے گا۔ نظام تعلق کے ڈسٹرب ہونے سے مراد اندر سے ڈسٹرب ہونا ہے کہ بعض اوقات انسان بظاہر اپنے آپ کو

سنبھال لیتا ہے اور اپنے اوپر ہنسی مزاح اور سکون و اطمینان کے مصنوعی خول چڑھا لیتا ہے لیکن اسے اندر کی خوشی حاصل نہیں ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے سورۃ الروم میں میاں بیوی کے تعلق کے لیے خاص طور محبت، رحمت اور سکون تین الفاظ استعمال کیے ہیں اور یہی تین چیزیں انسان کی بنیادی ضرورت ہیں۔ تو میں پہلے بھی لکھتا رہا ہوں کہ محبت ہو جائے، کوئی پریشانی نہیں ہے، شادی کر لیں، کس نے منع کیا ہے، لیکن شادی کے بغیر محبت کا تعلق چلانا خدا کو اس تعلق کا سینٹرل ریفرنس نہ بنانا ہے اور یہ بالآخر دنیا میں بھی اذیت ہے اور آخرت میں بھی تکلیف ہے۔ اگر جہاں محبت ہو گئی، وہاں یک طرفہ محبت ہے، یا دو طرفہ ہے لیکن شادی کا امکان نہیں تو اس تعلق سے نکل جائیں، اس کے سوا کوئی حل نہیں ہے، کہ اس حالت میں یہ تعلق سوائے دنیا اور آخرت کی اذیت اور تکلیف کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہم نے لکھا ہے کہ ایسا تعلق کسی خاص انسان کا تعلق نہیں ہوتا بلکہ لَو انرجی (love-energy) ہوتی ہے جسے ریلیز ہونے کے لیے کوئی آبجیکٹ چاہیے ہوتا ہے۔ آپ اسے وہ آبجیکٹ فراہم کر دیں تو آپ کے نفس کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ تو اس سے شادی نہ بھی ہو جس سے محبت ہو، اس کے کفو یعنی برابر کے رشتہ میں ہو جائے تو بھی مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

تو میاں بیوی کا رشتہ ایک ایسا رشتہ ہے کہ جس سے ہمارے نظام تعلق کی تمام بنیادیں سیراب ہوتی ہیں۔ اس کو قائم کرنا اور قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔ کوئی بات نہیں اگر ایک تجربہ ناکام ہو گیا تو دوسرا کر لیں اگر تو دوسرے کے حالات ہیں اور کامیابی کے امکانات بھی ہیں۔ آپ دوست، پڑوسی اور کاروباری پارٹنر بھی تو بدلتے رہتے ہیں۔ اور اسلام نے طلاق اور خلع کی صورت میں اس کا دروازہ کھلا رکھا ہے لکن ہماری سوسائٹی نے اس کو ایک ایسا گناہ کبیرہ بنا دیا ہے کہ جس سے یہ تعلق سوائے بوجھ کے اور کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ طلاق اور خلع کا تناسب بہت بڑھ گیا اور چھوٹی چھوٹی وجوہات پر علیحدگیاں ہونے لگیں جو کہ درست نہیں ہے۔ لیکن بہر حال دونوں رویوں میں توازن کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ ذرا سی

بات پر علیحدگی اور دوسرا یہ کہ اب جینا مرنا ہی اس کے ساتھ ہے۔ ایک یہ کہ دوسری جگہ شادی میں تو کوئی مسائل نہیں ہوں گے اور دوسرا یہ کہ ہر جگہ شادی میں یہی مسائل ہوں گے تو یہ دونوں انتہائی سوچیں ہیں کہ جنہیں متوازن کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دی، عمر نے دی، عبد اللہ بن عمر نے دی، عبد الرحمٰن بن عوف نے دی، مغیرہ بن شعبہ نے دی، مغیرہ بن شعبہ چار شادیاں اکھٹی کرتے تھے اور چاروں بیویوں کو اکھٹی طلاق بھی دے دیتے تھے، حسن بن علی تو اتنی طلاقیں دیتے تھے کہ حضرت علی نے منبر پر کھڑے ہو کر کہہ دیا کہ میرے بیٹے کو رشتہ نہ دو۔ رضی اللہ عنہم۔ اگرچہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ کی یہ روایت منکر ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ایک وقت میں چار طلاقیں دیتے تھے لیکن علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شبعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں کہا کہ میں نے ستر سے زائد شادیاں کی ہیں اور اتنی شادیاں کثرت طلاق کے بغیر ممکن نہیں ہیں۔

تو کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ مرد کو اتنا طلاق دینے والا ہونا چاہیے بلکہ کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ بھی زندگی کا ایک رخ ہے، اسے بھی دیکھ لینا چاہیے، تبھی تصویر مکمل ہو گی ورنہ ادھوری تصویر کو ہی دین کی مکمل تصویر سمجھتے رہیں گے۔ تو ہمارے معاشروں میں طلاق کو جو شرک عظیم بنا لیا گیا ہے،اس تناظر میں یہ بات کی ہے۔ اور اس تناظر میں بھی کہ جہاں طلاق ہو گئی ہے تو اب وہاں ایسی ضعیف روایتیں سنانے کا فائدہ کہ حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ ترین چیز طلاق ہے۔ یہاں اگر عورت نے خلع لے لی تو حضرت زید اور زینب رضی اللہ عنہما کا قصہ سنائیں کہ وہ دونوں صحابہ تھے، نیک تھے، ایمان کے ایک درجے پر تھے، اللہ سے ڈرنے والے تھے لیکن نباہ نہ ہو سکا۔ تو بعض اوقات دو دینداروں میں بھی نباہ نہیں ہو پاتا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید رضی اللہ عنہ کو طلاق دینے سے منع کرتے ہیں لیکن انہوں نے طلاق دے کر چھوڑی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا سماجی مقام ومرتبہ (social-status) حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کافی بلند تھا۔ حضرت زید

رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے جبکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا قریش سے تعلق رکھتی تھیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بھی تھیں۔اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی دلچسپی سے یہ رشتہ قائم ہوا تھا لیکن پھر بھی نباہ نہ ہو سکا کیونکہ رشتے میں برابری نہ تھی۔

اسی طرح اگر مرد نے طلاق دے دی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تھی البتہ بعد میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے پر رجوع کر لیا تھا کیونکہ یہ ایک طلاق تھی اور یہ واقعہ بھی صحیح روایت میں منقول ہے۔اسی طرح قرآن مجید میں سورۃ التحریم میں ازواج مطہرات کو اللہ عزوجل کی طرف سے طلاق کی دھمکی دی گئی ہے۔ تو یہ ہمارے نزدیک آئیڈیل رشتے تھے اور ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں علیحدگی کے امکانات برابر طور موجود تھے اور اس علیحدگی کو گناہ نہیں سمجھتا جاتا تھا۔ تو علیحدہ ہو جانے والے فریقین میں یعنی میاں بیوی میں کسی نئے رشتے کو قائم کرنا کا حوصلہ پیدا کریں اور وہ اسی طرح پیدا ہو سکتا ہے جبکہ انہیں مذہبی بیانیے کا یہ دوسرا پہلو بھی دکھا دیں کہ طلاق ایک نارمل پریکٹس ہے، کوئی بات نہیں کہ ایک سے رشتہ نہیں نبھ پایا تو دوسرا تجربہ کر لیتے ہیں کہ انسانی زندگی تجربات ہی کا تو نام ہے۔

اسی طرح دور نبوی میں خلع کے کیسز بھی عام ہیں۔ حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا نے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! میں اپنے شوہر کے دین اور اخلاق کو برا نہیں کہتی لیکن مجھے وہ پسند نہیں ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدگی کروا دی۔ تو عرب معاشرے میں طلاق اور خلع ایک نارمل پریکٹس تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ مطلقہ (divorced) اور خلع یافتہ سے دوسری شادی بھی وہاں بہت عام تھی۔ تو ہمارے معاشروں میں جب دوسری شادی، اور خاص طور مطلقہ اور خلع یافتہ سے، ایک جرم بن گئی تو طلاق اور خلع بھی ایک جرم ہی بن گئی۔ لہٰذا اب رشتہ نبھانے میں ہی خیر معلوم ہوتی ہے۔اور عورت کو تو خاص طور یہی پیغام دیا جاتا ہے کہ جس گھر میں تمہاری ڈولی گئی ہے، اب وہاں سے تمہارا جنازہ

ہی اٹھنا چاہیے یعنی بھلے قیامت برپا ہو جائے، تم نے علیحدگی نہیں لینی بلکہ نباہ ہی کرنا ہے۔اسی طرح طلاق دینے والے مرد کو بھی سوسائٹی پسند نہیں کرتی ہے، بھلے اس کی معقول وجوہات موجود ہوں۔

تو شادی شدہ زندگی گزاریں، محبت اور تعلق کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ لیکن اگر شادی شدہ زندگی میں ہی تعلق کے مسائل پیدا ہونا شروع ہو جائیں تو اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہوتی ہے کہ آپ زبردستی رشتہ نبھا رہے ہوتے ہو یعنی اسے گھسیٹ رہے ہو۔ اور اپنے پارٹنر سے آپ کو جو درد ملتی ہے تو آپ اس کے چھٹکارے (relief) کے لیے کسی اور جگہ دل لگا لیتے ہو۔ تو اگر واقعتاً دل سے سمجھتے ہیں کہ اس دوسرے سے آپ کی فریکوئنسی مل گئی ہے تو اب اس تعلق میں خدا کو سینٹرل ریفرنس بنانا یہ ہے کہ پہلی کے ساتھ دوسری بھی کر لیں یا پچھلے خاوند سے طلاق لے کر اس اگلے سے نکاح کر لیں کہ خدا نے آپ کو اس کی اجازت دی ہے لیکن بغیر نکاح کے اس تعلق کو قائم رکھنا تو یہ خدا کو اس تعلق میں سینٹرل ریفرنس نہ بنانا ہے اور ایسا تعلق کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ جس کی نہ تو سوسائٹی اجازت دیتی ہو اور نہ ہی مذہب۔

تو یہ بھی امکان ہو سکتا ہے کہ آپ کو پہلا پارٹنر اچھا نہ ملا ہو اور دوسرا اچھا مل جائے کہ اس کی کئی مثالیں ہمارے ارد گرد موجود ہیں کہ دوسری شادی کامیاب ہو گئی۔ لیکن ایسے کیس میں یہ بھی امکان برابر طور موجود ہوتا ہے کہ خود آپ میں ہی اپنے پارٹنر سے توقعات کا لیول اتنا ہائی تھا کہ وہ آگے بھی پورا نہ ہو پائے جیسا کہ پہلے سے پورا نہ ہو پایا تھا۔ تو اس بڑے فیصلے سے پہلے یہ تجزیہ ضرور کر لے کہ بعض اوقات مردوں میں بھی اور عورتوں میں بھی انیس بیس کا ہی فرق ہوتا ہے لہذا پارٹنر بدلنے سے نہ تو کوئی شہزادی (princess) ملتی ہے اور نہ ہی کوئی رفیق روح (soul-mate)۔ البتہ مرد اور عورت کی کیٹیگری بدل جائے تو کوئی بڑا فرق پڑ سکتا ہے لیکن اس نئے تعلق میں آزمائش نہیں ہو گی تو یہ خام خیالی ہے، اس سے نکل آئیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ اس میں پہلے کی نسبت آزمائش کم ہو۔ تو آزمائش تو ہر تعلق کا مقدر ہے لہذا آئیڈیلزم کی بجائے حقیقت پسندانہ (realistic) اپروچ رکھیں۔

تو تعلق انسان کی بنیادی ضرورت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ اور تعلق کی اصل ضرورت بھی میاں بیوی کے تعلق سے ہی پوری ہوتی ہے یعنی ازدواجی زندگی سے۔ معتدل زندگی گزارنے کے لیے اس تعلق کو استوار کرنے اور قائم رکھنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن ہمیں اپنے تعلق کی کل ضرورت میاں بیوی کے تعلق سے پوری نہیں کرنی، یہ ایک بڑی غلطی ہے جو ہم کرتے ہیں۔ جب میاں بیوی، کل تعلق ایک دوسرے سے لینے کی کوشش کرتے ہیں تو یہاں اس تعلق میں توازن نہیں رہ جاتا، توقعات بڑھ جاتی ہیں جو پوری نہیں ہوتیں، شکوے شکایات پیدا ہوتے ہیں، جو بالآخر نفرت اور بغض پر منتج ہوتی ہیں۔ تو میاں بیوی کے تعلق کے علاوہ بھی تعلقات ہیں، ان کو زندہ کریں۔ ماں باپ اور بہن بھائیوں سے ان کے حصے کی محبت وصول کریں، دوستوں اور سہیلیوں سے بھی محبت لیں، شاگردوں سے لیں، اولاد اور بچوں سے پیار لیں، پڑوسی اور کولیگ سے لیں۔ جب ان سب رشتوں سے تعلق ختم کر دیں گے اور صرف ایک ہی سے باقی رہ جائے گا تو ان سب کے حصے کی محبت بھی اس ایک سے چاہیں گے تو پھر مایوسی ہی ہو گی اور کیا ہو گا کہ ایک انسان آپ کو کتنا تعلق دے سکتا ہے! تو ماڈرن لائف اسٹائل میں جوائنٹ فیملی سسٹم سے نکل جانے نے بھی تعلق کے مسائل کو بہت بڑھا دیا ہے کہ اب گھر میں میاں بیوی اکیلے ہیں لہٰذا ان کے تمام مسائل ایک دوسرے سے شروع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے پر ختم ہو جاتے ہیں۔

4- تعلق کی وجوہات اور اقسام (Relationship: Reasons and Kinds)

تعلق کی وجوہات کئی ایک ہوتی ہیں؛ ایک وجہ تو طبعی ہے یعنی بعض لوگوں سے تعلق انسانی طبیعت میں شامل ہوتا ہے یعنی پیدائشی طور ہم میں موجود ہوتا ہے۔ یہ دو قسم کے لوگ ہیں؛ ایک وہ جو نسبی رشتہ دار ہیں کہ جن سے کوئی خون کا رشتہ ہے جیسا کہ والدین، بہن بھائی، اولاد اور خاندان وغیرہ۔ اسی طرح وہ لوگ جو ایک علاقے، مادری زبان، قوم یا مذہب وغیرہ سے تعلق رکھتے ہوں تو انہیں بھی یہ تعلق وہاں طبعا محسوس ہوتا ہے جہاں ان کا علاقہ نہ ہو یا ان کی مادری زبان نہ بولی جاتی ہو یا ان کی قوم یا مذہب کے پیروکار نہ ہوں۔ لاہور جیسے

کروڑوں کے شہر میں جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرے گاؤں کا آدمی ہے تو مجھے طبعاً اس کی طرف ایک کشش محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح یورپ کے کسی دور دراز علاقے میں مجھے کوئی پنجابی اسپیکنگ یا پاکستانی یا مسلمان مل جائے تو خوشی ہو گی۔ اسی طرح گھنے جنگل اور بے آب وگیاہ صحرا میں مجھے کوئی انسان بھی نظر آئے گا تو دل کھِل اٹھے گا۔

تو ہمارے تعلقات کے سرکلز ہوتے ہیں، ہم ان سرکلز کو اپنے تعلق کی ضرورت پورا کرنے کے لیے حسب حال بڑا اور چھوٹا کرتے رہتے ہیں۔ کہیں انہیں آبائی شہر کے لیول پر لے آتے ہیں، تو کہیں قوم کی سطح پر۔ اسی طرح طبعی تعلق کی ایک بڑی وجہ روحوں کی ملاقات بھی ہے جو اس دنیا میں آنے سے پہلے عالم ارواح میں ہوئی ہے۔ انہیں عرف عام میں سَول مَیٹس (soul-mates) کہتے ہیں۔ یہ عموماً وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن سے آپ کو بلاوجہ تعلق محسوس ہوتا ہے، ان کی طرف ایک کشش محسوس ہوتی ہے۔ اگر تو کسی کی طرف کشش کی وجہ مادی ہے یعنی اس کی شہرت، مال و دولت یا اقتدار و اختیار وغیرہ تو یہ مراد نہیں ہے بلکہ بلاوجہ کشش ہو، یعنی انسان اس کو جسٹیفائی نہ کر سکتا ہو کہ وہ مجھے کیوں اچھا لگتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں، بس اچھا لگتا ہے۔ اس پر بھی میں نے علیحدہ سے لکھا تھا کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میاں بیوی کا تعلق ایک ایسا تعلق ہے کہ اگر سول میٹ بھی مل جائے تو بھی انتہائی پیچیدہ بھی رہے گا اور آزمائش سے بھرا ہوا بھی۔ لہٰذا تعلق کوئی بھی ہو، آزمائش سے خالی نہیں ہے یعنی قربت کا تعلق۔ البتہ جس تعلق میں دوری اور فاصلہ ہو، اس میں آزمائش کم ہو جاتی ہے یا نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

اور تعلق کی دوسری وجہ یا قسم غیر طبعی ہے جیسا کہ کاروباری تعلق مثلاً سیلز مین کا کسٹمر سے تعلق، مالک کا ملازم سے تعلق وغیرہ۔ یہ عرف عام میں پروفیشنل تعلق کہلاتا ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے طبعی تعلقات کو بھی پروفیشنل تعلق بنا دیا ہے۔ استاذ شاگرد کا تعلق طبعی تعلق تھا لیکن اب پروفیشنل بن چکا ہے کہ اسٹوڈنٹ ایک کسٹمر ہے اور استاذ سیلز مین ہے اور ڈگری ایک پراڈکٹ ہے۔ اسی طرح دوستی کا تعلق بھی طبعی تعلق تھا اور میاں بیوی کے تعلق کے

بعد سب سے اہم ترین تعلق یہی ہے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ انسان اپنے جگری دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا جگری دوست دیکھ کر بنایا کرو۔ تو انسانی تعلق صرف تعلق کی ضرورت پورا نہیں کرتا بلکہ وہ آپ کی شخصیت کے بناؤ اور بگاڑ (personal-grooming) میں بھی اہم کردار ادا کر رہا ہوتا ہے لہٰذا تعلق بنانے میں انتخاب کا مزاج رکھنا بہت عمدہ صفت ہے۔ ہر کوئی ایسا نہیں ہوتا کہ اس سے دوستی لگائی جا سکے یا کی جا سکے۔ ٹھیک ہے جہاں ہمارے پاس انتخاب نہ ہو تو پھر ہم میسر لوگوں میں سے ہی کسی سے تعلق بنا لیتے ہیں کہ اچھا پارٹنر یا دوست نہیں مل رہا تو جو میسر ہے، اس پر گزارا کر لیں لیکن جہاں انتخاب کی گنجائش ہو تو وہ انتخاب کرنا چاہیے۔ اور جہاں انتخاب کی گنجائش نہیں ہے تو وہاں لا تعلّقی کوئی حل نہیں ہے۔

پھر تعلق کی ایک اہم وجہ بلکہ اہم ترین وجہ ایمان ہے۔ اس کے اہم ترین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ آپ کی اذیت (pain) کو کم کرتا ہے، وہ اذیت جو کسی بھی تعلق کا لازمی جزو ہوتی ہے۔ مجھے اپنے شوہر کا کرنا ہے، بھلے وہ میرا حق پورے سے ادا نہیں کر رہا، یا مجھے اپنی بیوی کا کرنا ہے، چاہے وہ میرے حق میں کوتاہی کر رہی ہے، تو یہ ایمان کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ ایمان ہمیں یہ یقین دلاتا ہے کہ اس کرنے کا ریوارڈ ملے گا، یہاں نہیں تو کہیں اور، پارٹنر سے نہ سہی، خدا سے سہی۔ یہ ایمان ہمیں سکھاتا ہے کہ تعلق تو ایک آزمائش ہے یعنی اس کی حیثیت ثانوی ہے، اصل حیثیت میری کامیابی کی ہے جو آزمائش میں پورا اترنے میں ہے۔ ایمان ہی ہمیں تعلق میں ایثار اور قربانی سکھاتا ہے کہ جس کے بغیر کوئی بھی تعلق ایک اچھا تعلق نہیں بن سکتا۔ ایمان ہی ہمیں صبر سکھلاتا ہے کہ جس سے ایک تعلق کی درد کم ہو جاتی ہے یا قابل برداشت ہو جاتی ہے۔ ایمان ہی ہمیں شکر گزار بناتا ہے کہ جس سے ایک تعلق کی راحت اور آسائش میں بھی سینٹرل ریفرنس خدا بن جاتا ہے۔ ایمان ہی وہ جذبہ ہے جو ہمارے ہر تعلق کی راحت اور اذیت دونوں کے لیے خدا کی ذات کو سینٹرل ریفرنس بنائے رکھتا ہے۔

تو طبعی تعلقات بلکہ ہر تعلق میں ایمان کی وجہ کو بھی ایک وجہ بنائیں۔ اور ایک لیول پر ایمان آپ کے تعلقات کی طبعی وجہ بھی بن جاتا ہے اور یہاں آپ اللہ کے محبوب بن جاتے ہو جیسا

کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص کسی دوسری بستی میں کسی سے ملاقات کے لیے جارہا تھا تو ایک فرشتہ انسانی شکل میں اس کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ تو اس نے بتلایا کہ فلاں بستی میں فلاں سے ملاقات کے لیے جارہا ہوں؟ تو فرشتے نے کہا کہ کیا اس کا تجھ پر کوئی احسان ہے کہ جس کے سبب اس سے ملنے جارہا ہے؟ تو اس نے کہا نہیں۔ بس اللہ کے لیے اس سے ملنے جارہا ہوں یعنی وہ اللہ کی وجہ سے مجھے محبوب ہے۔ تو فرشتے نے کہا کہ اللہ عزوجل نے مجھے بھیجا ہے کہ تجھے یہ بتلادوں کہ اللہ تجھ سے اسی طرح محبت رکھتے ہیں جس طرح تو اس بندے سے اللہ کے لیے محبت رکھتا ہے۔ یہ اللہ عزوجل کو کسی تعلق میں سینٹرل ریفرنس بنالینے کا اعلی درجہ ہے کہ اس سے تعلق کی وجہ بھی محض اللہ ہی ہو، کوئی اور مادی وجہ نہ ہو۔ مجھے اپنی بیوی کا اس لیے کرنا ہے کہ اللہ نے بیوی سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور مجھے شوہر کا اس لیے کرنا ہے کہ اللہ نے شوہر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ تو اب تعلق کی اساس محض لین دین نہیں ہے بلکہ ایمان ہے۔

تو یہ محبت یعنی اللہ کے لیے محبت نیکوکار سے تو ہو گی ہی ہو گی، اللہ کے کسی گناہ گار بندے سے بھی ہو سکتی ہے، بس شرط یہ ہے کہ اللہ کے لیے ہو یعنی اس مقصد سے ہو کہ میرے اس تعلق کے نتیجے میں یہ اللہ کی طرف آجائے یا اللہ سے جڑ جائے۔ یا اس لیے ہو کہ اللہ سے مجھے اس محبت کا اجر اور ریوارڈ ملے گا۔ تو اللہ کے لیے محبت صرف گھر سے باہر ہی تلاش نہیں کرنی بلکہ سب سے پہلے تو اپنے گھر میں ایک دوسرے سے اللہ کے لیے محبت کرنا سیکھیں۔ اگر آپ کی بیوی / شوہر، والد/والدہ، بہن؟ بھائی اللہ کے لیے آپ کی محبت سے محروم ہوں اور آپ شہر شہر اسے بانٹ رہے ہوں تو یہ کیسی اللہ کے لیے محبت ہے! یہ تو ایک ڈھکوسلا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

انسانی تعلقات میں سب سے پیچیدہ تعلق میاں بیوی کا تعلق ہے۔ یہ سب سے زیادہ راحت کا باعث بھی ہے اور درد کا سبب بھی۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اس کے درد کا رونا زیادہ روتے ہیں اور راحت کا ذکر بالکل نہیں کرتے۔ شاید اس کی وجہ انسان کی نفسیات ہو کہ وہ ہے ہی ایسی کہ

کسی کی اچھائی کو بھول جاتا ہے اور برائی کو یاد رکھتا ہے۔ تو آزمائش اس تعلق میں بھی ہے لیکن اگر اس تعلق میں دو تہائی راحت ہے اور ایک تہائی اذیت ہے تو یہ بہترین ازدواجی تعلق ہے، بس اسے چلائیں۔ میاں بیوی کی کاؤنسلنگ کرتے ہوئے میں اکثر یہ کہتا ہوں کہ دیکھیں! آپ کو یہ یاد ہے کہ اس نے آپ کو گالی دی، لعن طعن کی، شاؤٹ کیا، لیکن کیا شوہر نے آپ کو کبھی تحفہ لے کر دیا، گولڈ کا تحفہ ہو تو تعلق کی کیا ہی بات ہے، کبھی سیر پر لے گیا ہو، کبھی ہوٹلنگ کی ہو، کبھی شاپنگ کروائی ہو، کبھی ہنسی مزاح کیا ہو، کبھی تعریف کی ہو۔ اسی طرح بیوی نے کبھی نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کی بات مانی ہو، ملازمت کی ہو اور آپ کے گھر پر اپنا روپیہ پیسہ خرچ کیا ہو، آپ کے لیے بچے پیدا کئے ہوں، آپ کی اولاد کی تربیت کی ہو، گھر کی صفائی ستھرائی کھانے پکانے کا دھیان کیا ہو، اگر وہ یہ سب کر چکا یا کر چکی ہے، تو بھیٔ آپ کے تعلق میں خیر کی ایک بہت بڑی جہت موجود ہے، بس آپ کو مثبت ہونے کی ضرورت ہے جیسا کہ قرآن مجید نے کہا کہ اگر تمہیں اپنی بیویوں میں کوئی بات بری لگے جیسا کہ ناشکری کرنا تو ہو سکتا ہے کہ اللہ عزوجل نے ان میں بہت خیر رکھا ہو، بس ذرا سوچو تو سہی۔ لیکن شیطان ایسی خیر کی سوچ آنے نہیں دے گا۔ یا نفس کو یہ بھی خوف ہوتا ہے کہ پارٹنر کی خیر کو سوچنا شروع کر دوں گا تو اپنے حقوق کے لیے بات کرنا مشکل ہو جائے گا، اس کی اچھائیاں تلاش کرنا شروع کر دوں گا تو اپنی زیادتیاں نظر آنا شروع ہو جائیں گی، اس کی بھلائیاں مان لوں گا تو خود اندر سے کچا پڑ جاؤں گا۔

تو اچھی سوشل لائف گزارنے کے لیے مردہ تعلقات کو زندہ کریں، چاہے رشتہ داروں کے ہوں یا دوستوں کے، اور نئے اور اچھے تعلقات بنائیں۔ اور جو تعلق روح کے لیے اذیت بن جائے تو اس سے نکل جائیں۔ لیکن اس سے نکل کر پھر اس کے درد سے ریلیف کسی تعلق میں ہی ملے گا، لاتعلّقی میں نہیں۔ دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ میاں بیوی کے تعلق میں جو درد آزمائش کے طور موجود ہے تو اس کو دوسرے تعلقات سے ریلیف دیں جیسا کہ دوستی کے تعلق سے۔ اگر آپ کو اپنے پارٹنر سے ویسی محبت نہیں مل رہی جیسی کہ ملنی چاہیے یا اس سے کم مل رہی

ہے تو اپنے والدین سے محبت لے کر اس کمی کو پورا کر لیں، اپنی اولاد سے لے لیں، اپنے دوستوں سے لے لیں، اپنے شاگردوں سے لے لیں، اپنے مریدوں (followers) سے لے لیں۔ ضرور ہم نے سب کچھ اپنے پارٹنر سے ہی وصول کرنا ہے کہ وہ بھی تو ایک انسان ہے اور کمزور ہے۔

پھر تعلق کی تکلیف کو وقتاً فوقتاً نکالیں، اندر نہ رہنے دیں۔ ورنہ جمع ہو ہو کر بغض کا ڈھیر بن جائے گی اور پھر ایک دن آپ بوائلر کی طرح پھٹ جائیں گے۔ اور تکلیف مہذب طریقے سے نکالیں جیسے ہنسی مزاح میں کچھ کہہ دیا کہ جھگڑا بھی نہ بنے۔ اور اس آرٹ کو سیکھیں۔ پھر اپنے کسی دوسرے تعلق میں اپنے کسی پہلے تعلق کی تکلیف کا اظہار اچھے انداز میں کر دیں کہ جس سے وہ آپ کی خوبی بن جائے اور اگلے کی برائی بھی نہ بنے اور آپ کو پسندیدگی بھی مل جائے۔ اور یہ کام عورتیں بہت اچھا کر لیتی ہیں کہ اپنے میکے یا سہیلیوں میں اپنے خاوندوں کی برائیاں کر کے اپنا کیتھاریسس کرتی ہیں۔ لیکن اگر خاوند کی برائیاں نہ کریں اور اپنوں کے سامنے صرف اپنی تکلیف کا رونا رو لیں تو یہ تعلق کے لیے ایک صحت مند چیز ہے۔

تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو ہمدردی لینی آتی ہے، مرد اس معاملے میں نکمّے ہیں لہٰذا پھر سارا غصہ شاؤٹنگ، گالم گلوچ یا طلاق طلاق کی فائرنگ میں نکالتے ہیں۔ تو ایک تو مرد بھی ہمدردی لینا سیکھیں کہ جس سے درد کو ریلیف ملے کہ جیسے اپنوں میں اپنی کچھ تعریفیں کر دیں، مثلاً والدین اور دوستوں کے سامنے اپنی کچھ تعریفیں کر کے ہمدردی وصول کر لیا کریں۔ اس طرح آپ کو ازدواجی زندگی کی گاڑی کو مزید کچھ کلومیٹرز چلانے کے لیے فیول میسر آ جائے گا۔ یہی کام دوستوں کے تعلق میں بھی کریں کہ ان سے تکلیف اور رنج پہنچے تو اپنے پارٹنر سے ڈسکس کر کے ہمدردی وصول کر لیا کریں۔ دوسرا اہم شعوری طور یہ کوشش کریں کہ اپنے پارٹنر کی پازیٹو باتوں کو سوچیں، تو اس سے درد کو، اگر کوئی پہنچی بھی ہو کسی وقت، بہت ریلیف مل جاتا ہے کہ اس میں تو یہ یہ خیر ہے اور یہ بہت بڑی خیر ہے اور یہ تو کسی کسی میں ہو سکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ہماری ازدواجی زندگی آئیڈیل ہو جائے گی۔ عام لوگوں کے جیسی ہی ہو گی۔ میری بیگم کو مجھ سے ہزار گلے اور شکایات ہوں گے، رویوں کے بھی اور بھی، اور ان میں بہت سی جینوئن بھی ہوں گی یا ہیں کہ میں ایک انسان ہوں۔ لیکن کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میرا یہ سچا احساس ہونا چاہیے کہ میں اس کا کرتا بھی ہوں۔ اگر اسے مجھ سے رنج پہنچتا ہے تو راحت بھی ملتی ہے۔ یہ ہر پارٹنر کو دوسرے کے بارے سوچنا چاہیے۔ ہر شادی شدہ زندگی مسائل کا انبار نہیں ہوتی، اس میں راحت بھی موجود ہوتی ہے۔ ہم اس کا ذکر نہیں کرنا چاہتے بلکہ سوچنا بھی نہیں چاہتے۔ میں تو اپنے شوہر کی شکایات میں مبالغہ کرنے والی بیویوں سے اکثر یہ کہتا ہوں کہ بی بی اگر تمہیں اس سے اتنی ہی اذیت ملتی ہے تو خلع لے لو۔ خلع نہ لینا ہی تو دلیل ہے کہ اس تعلق میں راحت بھی مل رہی ہے۔ یہی حال اس مرد کا بھی ہے کہ جو طلاق نہیں دے رہا کہ اسے اس تعلق میں کچھ مل رہا ہوتا ہے تو تبھی تو نہیں توڑ رہا ہے، بھلے وہ زبان سے کہہ رہا ہو کہ مجھے اس سے کچھ نہیں ملتا، مجھے اس سے کچھ نہیں ملتا۔

تیسرا اپنی کل دنیا ایک تعلق ہی کو نہ بنا لیں ورنہ تکلیف ہی تکلیف مقدر بن جائے گی۔ میاں بیوی ایک دوسرے سے نکلتے ہی نہیں ہیں۔ بھئی، اپنے رشتہ داروں میں جا کر اٹھیں بیٹھیں تا کہ کسی اور تعلق کا بھی احساس پیدا ہو۔ بیوی کو بھی اس کے میکے چھوڑ کر آیا کریں یا آنے جانے دیا کریں۔ خود بھی دوستیاں لگائیں اور بیوی کو بھی سہیلیوں کی طرف چھوڑ کر آیا کریں۔ پارٹنر کا مزاج نہیں بھی ہے تو اسے دوست یا سہیلیاں بنانے کا مشورہ دیں، اس سے آپ سکھ میں رہیں گے۔ مجھے تو شکر کا کلمہ پڑھنا چاہیے کہ میری بیوی/ شوہر اپنی کسی سہیلی/ دوست سے میری شکایتیں لگا لے کہ اس سے اس کے اندر کا غبار نکل جائے گا اور میرے ساتھ تعلق سیدھا ہو جائے، یہ ہر شوہر / بیوی کی سوچ ہونی چاہیے۔ بس وہ سہیلی/ دوست دیندار اور خیر خواہ ہو، بے وقوف نہ ہو کہ جس کا مقصد بھڑکانا ہو بلکہ سمجھدار ہو کہ سن کر سنی اَن سنی کر دے یا اس کو سمجھتی / سمجھتا ہو کہ یہ کیتھاریسس ہے اور کچھ نہیں یا ہمدردی وصول کرنا ہے، اس

سے زیادہ نہیں۔ جب آپ کی کل کائنات ایک ہی رشتہ بن جائے گا تو کل درد بھی پھر اسی رشتے سے آئے گی اور پھر برداشت نہ ہو پائے گا۔

5- خدا سے تعلق (Love of Allah)

خدا سے تعلق کی جب ہم بات کرتے ہیں تو اس کی مختلف سطحیں (levels) اور جہتیں (dimensions) ہیں۔ خدا سے تعلق کی تین جہتیں (dimensions) اہم ہیں؛ محبت، خوف اور امید۔ ان تینوں میں سے اگر ایک بھی کم ہے تو خدا سے تعلق ناقص ہے، مکمل نہیں۔ خدا سے محبت کرنے سے مراد اس کی حسی محبت ہے یعنی ایسی محبت کہ جس کی گرماہٹ دل میں محسوس ہو۔ اسی طرح اس کے خوف سے مراد کسی شیر یا بھوت کے ڈر کے جیسا ڈر نہیں ہے بلکہ وہ خوف مراد ہے جو اس کی محبت کے نتیجے میں پیدا ہو رہا ہو جیسا کہ بچے کا ماں کی ناراضگی سے ڈر جانا کہ اگر وہ ناراض ہو گئی تو میں متاثر ہو جاؤں گا۔ اور ماں کی اسی ناراضگی کے ڈر سے وہ ماں کی نافرمانی سے بچتا ہے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے بندوں کی یہ صفت قرآن میں بہت بیان ہوئی ہے کہ وہ اللہ کو خوش کرنے میں لگے رہتے ہیں یعنی اللہ کی رضا تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اور امید سے مراد ہے کہ اللہ عزوجل سے مایوس نہ ہو جائے کہ مایوسی کفر کی علامت ہے اور اللہ عزوجل اپنے تعلق کی نسبت سے اسے بالکل پسند نہیں کرتے۔ کسی بھی معاملے میں اللہ سے مایوس ہو جانا تو یہ اللہ سے تعلق میں نقص ہے لہٰذا جائز نہیں۔ اور یہ امید بھی محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ تو اللہ سے تعلق کی اصل جہت محبت ہی ہے کہ جس نے اللہ کے ناراض ہو جانے کے خوف کے سایوں اور اللہ سے توقعات اور امیدوں کی کرنوں کو جنم دیا ہے۔

خدا سے حسی محبت کیسے ممکن ہے جبکہ نہ تو ہم اسے دیکھ سکتے ہیں، نہ چھو سکتے ہیں، نہ سونگھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی ذات کے بارے کچھ تخیل کر سکتے ہیں یعنی سوچ سکتے ہیں کہ وہ کیسا ہے یا کیسا ہو گا، کتنا حسین ہے، اس کا جمال کیسا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور انسان کی مجبوری یہ ہے کہ اس کا تمام نظام تعلق یا نظام محبت، حس پر قائم ہے یعنی ہمیں کسی کو دیکھ کر، اسے چھو کر، اس کو

سونگھ کر، اسے سوچ کر اس سے محبت محسوس ہوتی ہے۔ تو اتنی ایبسٹریکشن کے ساتھ اس قدر محبت کیسے ممکن ہے کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں بیان فرمایا کہ اہل ایمان تو اللہ کی محبت میں سب سے زیادہ سخت ہیں۔ اور کافروں پر تنقید یوں فرمائی کہ انہوں نے اللہ کے لیے ایسے شریک (partners) بنا رکھے ہیں کہ جن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی کہ اللہ سے کرنی چاہیے۔ تو ایک تو اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ مجھ سے ایسی محبت کرو جو اور کسی سے نہ کی ہو ورنہ تو تم نے اسے میرا شریک بنا دیا ہے۔ اسے بعض اہل علم نے "شرک فی المحبۃ" کا نام دیا ہے کہ ایک شرک محبت کا بھی ہے کہ جب کسی کی محبت، اللہ کی محبت سے بڑھ جائے یا اس کے برابر ہو جائے تو یہ شرک ہے اور اللہ عزوجل کو اس پر بہت غیرت آتی ہے۔ تو محبت میں شرک سے بچنے کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ جب اللہ اور کسی اور محبوب میں سے کسی ایک ہی کو راضی کرنا ممکن ہو تو پھر اللہ عزوجل کو ہی ترجیح دے، چاہے اس ترجیح پر دل آمادہ نہ بھی ہو۔

اللہ عزوجل کی حسی محبت ایک روحانی تجربہ ہے جس کا اظہار بہت سے لوگوں نے کیا ہے اور صوفیاء میں تو اس کا تجربہ اور اظہار دونوں عام ہیں۔ خود کو ذاتی طور ایک تجربہ ہوا کہ جس کے بارے اچھا گمان ہے کہ یہ اللہ عزوجل کی محبت ہے۔ یہ دراصل کچھ ایپی سوڈز تھے جو دو تین دن تک رہتے تھے جو احمد جاوید صاحب کی اصلاحی مجلس میں شرکت کے بعد تجربے میں آئے۔ جب ان کی جمعہ کی مجلس میں جانا شروع کیا، اور تقریباً تین سال اہتمام سے جاتا رہا، اب درس وتدریس کی کچھ مصروفیات کی وجہ سے تعطل آ گیا، تو اس عرصے میں کوشش کی کہ جو وہ اصلاح نفس کے حوالے سے اپنی اصلاحی مجالس میں تجویز کریں، اس پر ممکن طور عمل کروں۔ عمل کے اس عرصے میں کچھ روحانی تجربات بھی ہوئے جن میں سے ایک اللہ عزوجل کی حسی محبت کا تجربہ بھی تھا جو بعض اوقات دو دو دن تک جاری رہتا تھا۔ اللہ عزوجل کی حسی محبت کو اگر ڈیفائن کروں تو وہ دل کا ایک درد ہے کہ جس میں بہت ہی عجیب قسم کی مٹھاس ہے جو فزیکلی محسوس ہوتی ہے۔ شاید اسے ہی حدیث میں حلاوت ایمان کا نام دیا گیا ہے۔ درد واقعتاً درد ہے جو فزیکلی محسوس ہوتی ہے لیکن اس مٹھاس کی وجہ سے اس درد سے نکلنے کو دل نہیں کرتا اور

آپ ایک عجیب سرور کی کیفیت میں ہوتے ہو اور آپ یہ کہتے ہو کہ بس یہی دنیا یعنی یہی کیفیت اچھی ہے، اسی میں زندگی گزر جائے۔

لیکن جب اس سے باہر آتا تو دوبارہ اس میں جانے سے ڈرتا تھا کہ وہیں رہ جاؤں گا۔ اس لیے جب بھی اس کیفیت سے نکل رہا ہوتا تھا تو وہاں رہنے کی کوشش نہیں کرتا تھا کہ علمی اور تحریکی شعور بھی غالب تھا اور وہ یہ کہتا تھا کہ اصلاح معاشرہ کا کام چھوٹ جائے گا جو کہ ایک دینی فریضہ ہے۔ اور اصلاح معاشرہ کا کام لوگوں سے تعلق کے بغیر ممکن نہیں ہے جبکہ خدا سے تعلق کے اس نوعیت کے تجربے کے بعد ایک کمزور انسان کے لیے واپس آنا شاید مشکل ہو جاتا ہے۔ شاید یہ اس تعلق ہی کی حلاوت اور مٹھاس ہے کہ بہت سے بڑے نام بھی اسی تعلق میں گم ہو جاتے ہیں اور انسانی تعلقات کے حوالے سے اعتدال پر نہیں رہ جاتے۔ بابا فرید رحمہ اللہ کو جب اطلاع ملی کہ ان کا بیٹا فوت ہو گیا ہے تو کہنے لگے سگ بچہ یعنی کتے کا بچہ مر گیا ہے۔ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے مکتوبات میں بابا فرید پر نقد کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا فوت ہوا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ سگ بچہ مر گیا ہے! تو خدا سے حسی محبت کا تعلق قائم ہو جانے کے بعد اس میں اور بندوں سے تعلق میں توازن رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ مجھے جب بھی وہ اپی سوڈز یاد آتے ہیں تو دل اس طرف کھچتا ہے لیکن ڈر یہ لگتا ہے کہ شاید کمزور اتنا ہوں کہ اسی میں گم نہ ہو جاؤں اور یہ اللہ کا بھی مطلوب نہیں ہے کہ اسی میں گم ہو جاؤ۔ اور رہا اس کیفیت کے بعد توازن کہ اللہ اور بندوں دونوں کے تعلق کو ادا کرتا رہے تو ہ ایک عرصے کے بعد ہی حاصل ہو پاتا ہے۔ میں نے احمد جاوید صاحب سے اس بارے سوال کیا تھا تو ان کا کہنا تھا کہ وقت کے ساتھ آ جاتا ہے۔

تو اللہ سے تعلق بھی ایک آزمائش ہی ہے کہ جب اللہ سے حسی محبت حاصل ہو گئی تو اب اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف رخ کرنے کو دل نہیں کرتا، لیکن اللہ نے حکم دے دیا ہے کہ مخلوق خدا کا رخ رکھو، ان کی اصلاح بھی کرو اور خدمت بھی، اور یہی اصل کام ہے، نہ کہ مصلے پر کھڑا ہو کر میری محبت کے راگ الاپنا تو یہ کرنا ہے۔ رہا یہ سوال کہ اللہ کی حسی محبت کیسے حاصل

ہوتی ہے؟ مجھے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شاید یہ صحبت سے حاصل ہوتی ہے یعنی ایسے آدمی کی صحبت سے کہ جسے اللہ عزوجل کی محبت حاصل ہو چکی ہو کہ وہ محبت ایسے ہی ایک دل سے دوسرے دل میں منتقل ہوتی ہے جیسے کہ برف کی سِل سے ٹھنڈک اور آگ کے الاؤ سے حرارت اپنے ماحول میں منتقل ہوتی ہے لیکن شاید ایک شرط ہے کہ وہ دل قبولیت کے حال (receptive-mode) میں ہونا چاہیے ورنہ تو نبی کی صحبت اور توجہ بھی فائدہ نہ دے گی جیسا کہ منافقین کو فائدہ نہ ہوا۔ یہ محسوس کرتا ہوں کہ جب کسی صاحب حال کی مجلس میں شریک ہوں تو اگلے دو تین دن یہ کیفیت طاری رہتی ہے۔ لیکن اس کا تجربہ بھی کیا کہ کبھی کسی وقت میں پانچ سات منٹ کی یکسوئی حاصل کی اور وہ کیفیت دل میں پیدا ہو گئی۔ شاید یہ ایسا ہے کہ ایک مرتبہ کی صحبت سے کوئی حس بیدار ہو گئی تو اب اس کو بس کچھ یکسوئی چاہیے ہوتی ہے جو اسے مل جائے تو وہ دوبارہ ایکٹیویٹ ہو جاتی ہے۔

اس تجربے کے بعد بہت سے دوستوں کو احمد جاوید صاحب کی مجلس میں بھیجا، بہت سے گئے بھی، کچھ نہیں بھی گئے، لیکن کسی سے تجربہ شیئر نہیں کیا، وہ ابھی کر رہا ہوں۔ اور اسی لیے کر رہا ہوں کہ جو دو چار لوگ اللہ کی محبت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے کچھ رستہ واضح ہو جائے۔ کچھ دوست احباب اس کیفیت کی اور تشریح کرتے ہیں مثلاً یہ کہ یہ روح کا درد ہے جو عبادت کے اہتمام کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کی تشریح یوں نہیں کروں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادات کے اہتمام کے تجربات بھی کیے ہیں اور ان کی کیفیات کا تجربہ بھی کیا ہے۔ کیفیات، کیفیات میں بہت فرق ہے۔ تو قرآن مجید کے ساتھ رات کھڑا ہونے سے جو کیفیات پیدا ہوتی ہیں، وہ بالکل اور ہیں۔ ان کا خلاصہ سورۃ النور کی آیت 35 ہے۔ اور ان کیفیات کا تجربہ کوئی بیس سال پہلے قرآن اکیڈمی میں قیام کے دوران ہوا۔ ان کیفیات کا تعلق دل کی نسبت سینے سے زیادہ ہے۔

ایک مرتبہ کسی دوسرے شہر سے آئے ہوئے ایک بزرگ دوست سے ملاقات ہوئی جو احمد جاوید صاحب سے ملاقات کر کے تشریف لائے تھے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کی ملاقات کیسی

رہی؟ تو کہنے لگے کہ حضرت نے توجہ فرمائی ہے۔ میں نے کہا کہ توجہ کیا ہوتی ہے؟ کہتے ہیں کہ شیخ کی توجہ سے دل میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ احمد جاوید صاحب نے ان کی طرف توجہ کی تھی یا نہیں۔ لیکن مجھے احمد جاوید صاحب کے مزاج کا علم ہے کہ وہ ایسا کچھ نہیں کرتے۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ آپ کا دل اپنی دھڑکن مِس (beat-miss) کرتا ہے۔ اور یہ تجربہ مجھے کمال الدین شیخ صاحب کی بھی صحبت میں ہوا۔ ایک ہی مرتبہ ان سے ملاقات ہوئی، بس ان کے ساتھ بیٹھا ہی ہوں کہ دل نے یہ حرکت شروع کر دی۔ پھر میری تلاوت تھی تو دوران تلاوت بھی یہی کیفیت جاری رہی۔ تو وہ ہمارے ہاں یونیورسٹی میں ایک گیسٹ اسپیکر کے طور آئے تھے، انہیں مجھ پر ہی بھری مجلس میں توجہ کرنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ میں اتفاق سے ان کے پاس بیٹھ گیا تھا اور ان کے ساتھ اور بھی لوگ بیٹھے تھے۔ لہٰذا یہ توجہ کرنے والی بات تو بالکل غلط ہے اور نہ ہی یہ کیفیت محض توجہ سے پیدا ہوتی ہے بلکہ از خود بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوئی شیخ طریقت یہ سمجھتا ہو کہ اس کی توجہ کرنے سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے تو وہ اس کی غلط فہمی ہے، اور کچھ نہیں۔ وہ توجہ نہ بھی کرے تو یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اللہ عزوجل نے صحبت کو اس کیفیت کا سبب بنایا ہے نہ کہ توجہ کو، وہ بھی تب جبکہ مخاطب قبولیت کے حال میں ہو۔

اور اس کیفیت کا تعلق محبت سے نہیں، خشیت سے ہے کہ اللہ کے کسی نیک بندے کی خشیت اس کی صحبت میں بیٹھنے سے از خود آپ میں منتقل ہونا شروع ہو جاتی ہے، اللہ کے حکم سے، نہ کہ اس کی توجہ کی وجہ سے۔ اور اس میں دل اپنی دھڑکن مِس کرتا ہے اور اسے قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ مومن تو بس وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں۔ تو یہ دل کی لرزش ہے، جو خشیت کی ایک کیفیت ہے۔ اس کا شیخ کی توجہ سے تعلق نہیں ہے۔ لیکن اس کیفیت کے نتیجے میں محبت والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، یہ بات کسی حد تک درست ہے۔ اگر اس کا تعلق شیخ کی توجہ سے ہوتا تو یہ تجربہ نہ ہوتا کہ ایک عام انسان

بھی کچھ یکسوئی کے ساتھ اس کو حاصل کر لیتا۔ لیکن کیا یکسوئی بھی اپنی طرف توجہ کرنا ہی ہے تو میرا جواب ہے کہ نہیں۔ یکسوئی اللہ کی طرف توجہ کا نام ہے۔

تو محبت کی کیفیت کا تعلق صحبت سے ہے۔ اور کچھ عرصے بعد شاید آپ صحبت سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہو اور خود سے ہی اس کیفیت میں جا سکتے ہیں۔ بس ذرا یکسوئی درکار ہوتی ہے۔ تو اللہ سے تعلق میں اصل یکسوئی ہے۔ یکسوئی ہی سے یہ تعلق حاصل ہوتا ہے اور یکسوئی ہی سے برقرار رہتا ہے۔ اور یکسوئی کا مطلب ہے کہ سب کچھ سے منقطع ہو کر صرف اللہ ہی کی طرف توجہ کر لینا کہ جس کا ذکر سورۃ المزمل میں ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو ٹائیٹل قرآن مجید نے دیا ہے، یعنی حنیف، اس میں بھی ہے۔ حنیف اسی کو کہتے ہیں جو سب تعلقات سے منقطع ہو کر صرف اللہ کے تعلق کی طرف متوجہ ہو گیا ہو۔ اور اسی کو حدیث میں احسان کہا گیا ہے یعنی اللہ کی ایسے عبادت کرو جیسا کہ اسے دیکھ رہے ہو۔ جیسا کہ اسے دیکھ رہے ہو، سے یہی مراد ہے کہ اگر اسے دیکھ رہے ہوتے تو اس وقت جو محبت، خوف اور امید کی کیفیات پیدا ہوتیں، ان کیفیات کے ساتھ عبادت کرو۔ اور احسان کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ کی ایسے عبادت کرو جیسا کہ اللہ عزوجل تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

اللہ سے حسی محبت کا ایک تجربہ خواب میں ہوا، اللہ عزوجل کو دیکھ کر، لیکن خواب چونکہ کوئی حجت نہیں، اور شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے لہٰذا اسے شیئر نہیں کر رہا کہ خواب کا تجربہ صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی، لیکن میرا ذاتی طور احساس یہی ہے کہ خواب میں خدا کو خواب میں دیکھا جا سکتا ہے جیسا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کا موقف ہے کہ آپ خواب میں جو خدا کو دیکھتے ہو تو وہ خدا نہیں ہوتا لیکن خدا آپ کو احسن صورت میں اپنا آپ دکھلاتا ہے جیسا مسند احمد کی صحیح روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے خدا کو خواب میں احسن صورت میں دیکھا ہے۔ اور یہ دوسرا چینل ہے کہ جہاں سے خدا سے حسی محبت کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ البتہ خدا سے حسی محبت کا ایک اور ذریعہ خدا کے اسماء وصفات ہیں۔ اگر آپ ان اسماء وصفات کو ان کے حقیقی لغوی معانی پر جاری کریں جیسا کہ

سلف صالحین اور آئمہ اربعہ کا موقف ہے تو خدا سے حسی محبت کرنا کچھ مشکل نہیں رہ جاتا۔ لیکن جب آپ کتاب وسنت میں موجود اللہ عزوجل کی اسماء وصفات سے مراد ان کے مجازی معنی لے لیتے ہیں تو پھر آپ ایبسٹریکشن میں چلے جاتے ہیں، جہاں بعض اوقات تو یہ بھی معلوم نہیں پڑتا کہ خدا اور بت میں کیا فرق ہے یا خدا اور عدم (nothingness) میں کوئی فرق ہے بھی یا نہیں۔

پچھلے ہی دنوں ایک صاحب بحث کر رہے تھے کہ حدیث میں یہ جو آیا ہے کہ اللہ عزوجل رات کے آخری تہائی حصے میں آسمان دنیا پر تشریف لاتے ہیں تو یہاں مراد اللہ عزوجل نہیں بلکہ اللہ کی رحمت تشریف لاتی ہے۔ میں نے کہا کہ حدیث میں اللہ کے آنے کا ذکر ہے نہ کہ اللہ کی رحمت کا۔ تو اللہ اور اللہ کی رحمت میں کیا کوئی فرق نہیں ہے؟ تو کہنے لگے کہ اس طرح تو اللہ حرکت کرے گا۔ تو میں نے کہا کہ اللہ کی حرکت سے آپ کو مسئلہ کیا ہے؟ تو کہنے لگے کہ جو حرکت کرتا ہے، اس میں تغیر آتا ہے اور اللہ کی ذات میں تغیر کیسے ممکن ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں یہ اچھا ہے کہ خدا کی ذات کو ایک بت بنالو، جس کی حرکت پر بھی تم نے پابندی لگا دی ہو۔ اب ایسے خدا سے کوئی کیسے محبت کر سکتا ہے جسے عقلی موشگافیوں نے انسان سے بھی ناقص بنا رکھا ہو۔ تو خدا نے اپنے آپ کو غیاب میں رکھتے ہوئے اپنے حضور (presence) کے کچھ مظاہر ہمیں توحید اسماء وصفات کی صورت عنایت فرما دیے اور ہم بے وقوفوں کی طرح ان کے حقیقی لغوی معنی کا انکار کر کے خدا سے محبت کے ایک بہت بڑے رستے کو، جو خود اسی نے دیا ہے، بند کر بیٹھے ہیں۔ اور یہی کمال محبت ہے کہ نہ کامل حضور ہے اور نہ ہی کمال غیاب۔

ایک دوست نے سوال کیا کہ اگر صوفیاء کا ایک گروہ خدا کی ذات کے حوالے سے ایبسٹریکشن کا ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ خدا سے حسی محبت بھی رکھتے ہیں تو وہ اسے جمع کیسے کر لیتے ہیں جبکہ آپ کے نزدیک تو ان دونوں چیزوں کو جمع کرنا ممکن نہیں یعنی تنزیہ مطلق اور محبت کو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایبسٹریکشن کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ جن احوالی کیفیات سے گزرتے ہیں، وہ احوالی کیفیات ان

کے اس عقیدے کی منکر ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کا ایک گروہ مشبہ کہلایا یعنی انہوں نے غلو کرتے ہوئے خدا کی تصویر ایسی کھینچ دی جو انسان سے ملتی جلتی ہے۔ تاریخ کے اوراق میں ان کے عقائد محفوظ ہیں اور ہم نے اپنی "کتاب وجود باری تعالی: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی" میں بھی اس بارے معتدل اور حق بات کو اس کتاب کے تیسرے باب میں بیان کیا ہے۔ لیکن جو صوفیاء تشبیہ سے بھاگے اور تنزیہ مطلق کی طرف مائل ہوئے تو وہ بھی اپنے احوال میں مطلق تنزیہ برقرار نہ رکھ پائے۔ تو ان کی خدا سے محبت احوالی ہے، عقلی نہیں جبکہ ان کا خدا کے بارے عقیدہ عقلی ہے، احوالی نہیں۔ اور اس طرح انہوں نے متضاد باتوں کو جمع کر رکھا ہے۔ ہمارے نزدیک ان کے احوال سچے ہیں جبکہ افکار جھوٹے ہیں اور ان کے افکار کے جھوٹا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں کتاب وسنت سے ویسی نسبت، تعلق، تمسک اور ملازمت وملابست حاصل نہیں ہے جو کبار فقہاء اور محدثین عظام کو حاصل تھی۔

6- ہم جنس سے تعلق (Same-Gender Relationship)

بعض اوقات انسان کو اپنے ہم جنس سے محبت ہو جاتی ہے اور یہ بہت شدید بھی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ لَو انرجی (love-energy) ہے اور لَو انرجی پر میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ مزید تفصیل کے لیے میری کتاب "سیکس، سائیکالوجی اور سوسائٹی" کو دیکھیں۔ جب آپ کی اس انرجی کو ریلیز ہونے کے لیے کوئی آبجیکٹ نہیں ملتا تو یہ کسی دوست، کلاس فیلو، روم میٹ یا کولیگ سے متعلق ہو جاتی ہے۔ یہ متعین کی محبت (love-for-a-specific-person) نہیں ہے، اسے اس کے ساتھ خلط ملط نہ کریں۔ تجزیہ غلط کریں گے تو مسئلے سے کبھی نکل نہ پائیں گے۔ جب انسان کی شادی ہو جاتی ہے تو یہ محبت ایسے غائب ہو جاتی ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ کیونکہ شادی کے بعد اس لَو انرجی کو کھیلنے یا الجھنے کے لیے ایک آبجیکٹ مل جاتا ہے۔ لَو انرجی ضروری نہیں کہ کھیل کر خوش ہو، بعض اوقات یہ الجھ کر بھی تسکین پا لیتی ہے۔ کھیل کر جب یہ خوش ہوتی ہے تو اس کی وجہ وہی جبلت (instinct) ہوتی ہے، جس کی نشاندہی فرائیڈ نے جنس (sex) کے نام سے کی ہے۔ اور فرائیڈ نے جنس کو کافی وسیع معنوں

میں استعمال کیا ہے اور جنس کا وسیع معنی ہی درست معلوم ہوتا ہے۔ اور الجھ کر جب یہ تسکین پاتی ہے تو اس کے پیچھے وہ جبلت ہوتی ہے جسے ایڈلر نے حب تفوق (urge-to-dominate) کا نام دیا ہے۔ مرد ہو یا عورت، اور عورتوں میں یہ مسئلہ زیادہ ہے، دونوں فاتح بن کر اگلے کی محبت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور میاں بیوی کے تعلق میں یہ چیز آپ کو باہمی رویوں میں بہت زیادہ نظر آئے گی کہ وہ فاتح بن کر ایک دوسرے کو جیتنا چاہ رہے ہوتے ہیں۔

یہ انسان کے تعلق کی ایک اور آزمائش ہے۔ میرا دل تو کرتا ہے کہ اسے مستقل طور موضوع گفتگو بناؤں کہ ہم محبت میں فاتح بننا چاہتے ہیں، ہم دوسرے کو فتح کرنا چاہتے ہیں، اور یہاں ایڈلر بالکل سچ ثابت ہو جاتا ہے کہ سارا جھگڑا ہی غلبے کا ہے۔ محبت بھی ہم اپنے پارٹنر پر غالب رہ کر کرنا چاہتے ہیں، اپنی مغلوبیت کا تاثر قائم ہوئے بغیر۔ اور عورت میں اس کی نفسیاتی وجہ یہ ہے کہ وہ فطرتاً کمزور ہے، جسمانی اعتبار سے بھی اور دینی اعتبار سے بھی لہٰذا اس میں ناز، نخرا اور ادا زیادہ ہے۔ دینی اعتبار سے کمزور اس لیے کہا کہ حیض اور نفاس وغیرہ میں نماز روزے سے دور رہتی ہے لہٰذا دینی کمزوری آ جاتی ہے۔ عورت کے ناز، نخرے اور ادا کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے سے مضبوط مرد کو اپنی محبت میں کمزور دیکھ کر اپنے اس نقص کی تکمیل کی نفسیاتی تسکین چاہتی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کی شخصیت بکھر جائے اور مرد اس بات کو سمجھتا نہیں ہے۔ مرد کی نفسیاتی الجھن اس کی فطری مضبوطی ہے کہ جب فطرت نے اسے مضبوط بنایا ہے تو اس کا خیال ہے کہ غالب اسے ہی آنا ہے یا رہنا ہے نہ کہ عورت کو۔ اور یہاں سے میاں بیوی کے تعلق میں غالب آنے کی ایک فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ اور الجھن کی اس فضا میں تعلق اپنی جگہ ہوتا ہے لیکن نفس اس محبت میں غالب آنے کے مظاہر سے تسکین پا رہا ہوتا ہے کہ جسے آپ نفس کی کمینگی بھی کہہ سکتے ہیں اور نفس کی مجبوری کا نام بھی دے سکتے ہیں، کہہ لیں، مجھے کیا۔ مجھے تو صرف معاملے کا تجزیہ کرنا ہے۔ حکم آپ نے خود ہی لگانا ہے۔

تو ہم جنس کی محبت کا علاج شادی ہے لیکن شادی کا تعلق پھر کچھ مسائل ساتھ لیے ہوئے ہے، یہ تو پھر ہے۔ اصل میں ہم نے یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ کس تعلق کے مسائل زیادہ ہیں۔ تو ہم جنس کی محبت میں مسائل زیادہ ہیں کہ آپ اس کی محبت میں اس سے کوئی قانونی تقاضا نہیں کر سکتے۔ مثلاً جس سے آپ کو محبت ہو گی تو آپ کا دل کرے گا کہ اس سے بات چیت کریں، اس کے ساتھ وقت گزاریں، تحفے تحائف کا تبادلہ کریں۔ تو اب ایک دوست کو آپ دن میں دس مرتبہ کال کریں تو ایک وقت آئے گا کہ وہ تنگ پڑ جائے گا۔ عین ممکن ہے کہ ایک وقت تک تو آپ دونوں کی فریکوئنسی میچ کرتی رہے اور اس وقت تک معاملات بہت اچھے بھی چل جائیں لیکن جیسے ہی دونوں میں سے کسی ایک کے حالات ڈسٹرب ہوئے تو اُس کا تعلق ڈسٹرب ہو گیا۔ جب اُس کا تعلق ڈسٹرب ہو گیا تو آپ بھی ڈسٹرب ہو جائیں گے۔ اب یا تو تعلق میں اس سے ڈیمانڈ کر کے کچھ بہتری لے آئیں لیکن اس میں عزت نفس مجروح ہو گی، یا پھر اپنی عزت نفس کی وجہ سے خاموش رہیں اور دل ہی دل میں اذیت سہتے رہیں۔

لیکن میاں بیوی کے تعلق میں ایسا نہیں ہوتا کہ وہاں آپ جتنی بھی ڈیمانڈ کر لیں، آپ اس ڈیمانڈ میں اس لیے پر اعتماد ہوتے ہیں کہ آپ اسے اپنا قانونی حق سمجھتے ہیں۔ پھر سوسائٹی آپ کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے۔ اگر کوئی بیوی اپنے شوہر کے بارے کہے کہ یہ مجھے وقت نہیں دیتا تو لوگ کیا کہیں گے؟ ظاہری بات ہے کہ شوہر کو ہی کہیں گے کہ بھئی، اسے وقت دیا کرو۔ لیکن آپ کو اگر یہی شکایت اپنے دوست سے ہو تو لوگ یہی کہیں گے کہ بھئی، وہ وقت دے دے تو اس کا احسان ہے، باقی تمہارا اس پر کوئی حق نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی قانونی رشتہ ہے نہیں کہ جس سے حق ثابت ہو۔

تو اس تعلق سے نکلنے کا بہترین طریقہ تو شادی ہے جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب "روضة المحبین" [عاشقوں کی جنت] میں پہلی تجویز یہی پیش کی ہے۔ دوسرا طریقہ ایک تعلق سے دوسرے تعلق میں گر جانا ہے لیکن یہ بھی آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا کے مترادف ہے، بلکہ اگر آپ کا محبوب بدل رہا ہو یعنی آبجیکٹ بدل رہا ہے تو پھر مسئلہ کنفرم ہے

کہ لَو انرجی کا ہے، متعین کی محبت کا نہیں ہے۔ لٰہذا اپنی لَو انرجی کو ریلیز ہونے کا کوئی رستہ دیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم جنس کی محبت میں جنس شامل ہوتی ہے بلکہ میرے پاس جو اکثر کیسز آئے ہیں، ان میں جنس کا واہمہ تک نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ بعض اوقات محبوب کے ساتھ عقیدت کا ایک تعلق قائم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ محبت چھوٹے بڑے میں بھی قائم ہو جاتی ہے۔ اور جہاں محبت میں عقیدت شامل ہو جائے تو وہاں محبت میں احترام اور وقار حد درجے بڑھ جاتا ہے اور یہی وقار اور احترام کا تعلق جنس کے خیال میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اور جہاں ہم جنس کے تعلق میں جنس شامل ہو جائے تو یہ تو بیماری (disorder) ہے اور اس بیماری کو ابھی ہم ڈسکس نہیں کر رہے ہیں۔

رہا مخالف جنس سے محبت کا تعلق یعنی مرد اور عورت یا لڑکے اور لڑکی کا تعلق، تو اس میں جنس لازماً شامل ہو جاتی ہے۔ بھلے عورت کی طرف سے نہ ہو لیکن مرد کی طرف سے ضرور ہو گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کی اصل ضرورت رومانس (romance) ہے جبکہ مرد کہ اصل ضرورت جنس (sex) ہے۔ اور یہ اس تعلق کی ایک اور آزمائش ہے کہ ان کی ضرورتیں جدا جدا ہیں۔ اب یہاں ایک اور بحث پیدا ہوتی ہے کہ کیا محبت، جنس ہی ہے یا اس سے الگ کوئی شيء ہے۔ تو میری رائے میں محبت، محبت میں فرق ہے مثلاً والدین سے محبت، اولاد سے محبت، پڑوسی اور دوست کی محبت، استاذ شاگرد کی محبت اور میاں بیوی کی محبت وغیرہ۔ پہلا نکتہ تو یہ ہو گیا۔ دوسرا جس محبت کی ہم اس لمحے بات کر رہے ہیں یعنی لڑکے اور لڑکی کی محبت اور میاں بیوی کی محبت، تو جنس اس محبت کا ایک لازمی جز ہے۔ اب یہ اس محبت کا نقطہ عروج (climax) ہے یا نچلی ترین سطح ہے؟ اس میں اختلاف ممکن ہے۔

میری نظر میں کبھی یہ محبت کی نچلی ترین سطح ہوتی ہے اور کبھی محبت کی انتہاء ہوتی ہے۔ جنس، اس وقت محبت کی اونچی ترین سطح ہوتی ہے جب اس تعلق میں دونوں یعنی میاں بیوی کی باہمی رضامندی، خوش دلی اور رغبت شامل ہو لیکن اگر اس تعلق میں یک طرفہ رغبت ہو اور دوسری طرف سے اسے بس گوارا کیا جا رہا ہو تو یہ محبت کی نچلی ترین سطح ہوتی ہے۔ لیکن اس

یک طرف تعلق کا بھی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ شوہر کے دل سے بیوی کے بارے بغض اور کینہ نکل جاتا ہے کیونکہ جنسی عمل اور بغض کو ایک دل میں جمع کرنا اور رکھنا ممکن نہیں ہے اور یہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ محبت، جنس کا ایک جزو ہے۔ مسجد کے واش روم میں لگی ٹائل بھی اہم ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے مسجد کا گند باہر نکل جاتا ہے۔ پھر میاں/بیوی اگر ضرورت سے زیادہ جنسی تعلق قائم کریں تو انہیں اپنے پارٹنر سے اکتاہٹ محسوس ہونا شروع ہو جاتی ہے، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ جنس اور محبت کا باہمی تعلق ہے اور جنس کی حد سے زیادہ سیر ابی، محبت کے تعلق میں اکتاہٹ کا باعث بنتی ہے۔ تو صحیح معنوں میں سیکس انرجی اور لَو انرجی کا جنریٹر ہمارے نفس میں موجود ایک ہی جبلت کا بیج ہے البتہ اس بیج سے پیدا ہونے والے درخت کی شاخیں اپنا علیحدہ علیحدہ وجود رکھتی ہیں۔ پھر جنہوں نے سچی محبت (true-love) کی رَٹ لگا رکھی ہے کہ ہماری محبت سچی ہے، ہماری محبت سچی ہے، ان کا نکاح کروا کے آپ ایک ہفتہ کے لیے انہیں ایک کمرے میں بند کر دیں اور پھر پوچھیں کہ سچی محبت کس بلا کا نام ہے۔

تو میں محبت کا انکار نہیں کر رہا لیکن محبت کے جذبے میں جو شدت ہوتی ہے، اس کی ایک بڑی وجہ جنس کا جذبہ ہوتا ہے۔ اگر جنس کے جذبے کی تسکین ہو جائے تو محبت کی شدت کم پڑ جاتی ہے۔ اور یہاں جنس سے مراد مطلق جنس کا پورا ہونا نہیں بلکہ اس شخص سے جنس کے جذبے کا پورا ہونا کہ جس سے شدید محبت ہے۔ بعض اوقات کسی شادی شدہ مرد/عورت کو بھی دوسرے سے شدید محبت محسوس ہوتی ہے، اس میں شک نہیں ہے لیکن یہ محبت بھی کوئی سچی محبت نہیں ہے، سال چھ ماہ تو بہت زیادہ ہیں، ہفتہ مہینہ بھر میں ہی اتر جاتی ہے۔ خواہش پوری ہو جاتی ہے تو محبت کا مصنوعی خول باقی رہ جاتا ہے اور انسان اپنے آپ سے شرمندگی کے ڈر سے عرصہ دراز تک اس محبت کے وجود کا جھوٹا یقین اپنے نفس کو دلاتا رہتا ہے اور بالآخر ایک دن یقین کا وہ کچا گھروندا بھی ریت کا ڈھیر ثابت ہوتا ہے اور زمین بوس ہو جاتا ہے۔ بھئی، محبت ایک جذبہ ہے اور جذبے میں اتار چڑھاؤ رہتا ہے۔ جذبہ اگر مستقل (stable) ہو جائے تو وہ جذبہ ہی کیوں کہلائے! لہٰذا محبت میں آنا جانا لگا رہنا ہے، اس میں کمی بیشی اس کا لازمی جز

ہے۔ پس یہ خواہش رکھنا کہ محبت ہو تو زندگی بھر کے لیے ہو اور ایک جیسی شدت کے ساتھ ہو، احمقوں کی جنت میں رہنے کے مترادف ہے۔ سمندر میں ہر وقت طوفان برپا رہے تو یہ خود ایک عذاب ہے۔ تو محبت کے جذبے میں شدت کی مثال سمندر کی طوفانی لہروں کی سی ہے جو عارضی ہوتی ہیں اور وقت کے ساتھ پرسکون ہو جاتی ہیں۔ اور ان کا پرسکون ہونا ہی اچھا ہے۔

تو ہم، ہم جنس کی محبت کی بات کر رہے تھے کہ اس کا علاج شادی ہی ہے۔ اگر آپ شادی نہیں کریں گے تو اس تعلق سے نکلیں گے تو کسی دوسرے میں گر جائیں گے بلکہ مخالف جنس کے تعلق سے بھی اگر آپ اپنے نفس پر جبر کر کے نکلیں گے تو جو درد ملے گی تو اس درد کے ریلیف کے لیے کسی اور تعلق میں گر جائیں گے۔ تو یہ نکلنا بھی بڑی حکمت سے ہے، درد لے کر نہیں نکلنا ورنہ ایک گھن چکر (cyclic-path) میں پھنس جائیں گے اور نکلنے کا رستہ نہیں ملے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لَو انرجی تو موجود ہے، بس آبجیکٹ بدل جائے گا لیکن آپ کا مسئلہ حل نہیں ہو گا یعنی تعلق کی اذیت اور تکلیف سے نکل سکنا۔ اس لیے ایک تعلق سے نکلنا مسئلے کا حل نہیں ہے بلکہ اس تعلق میں گرنا مسئلے کا حل ہے کہ جس کی وجہ سے آپ تعلقات کے اس گھن چکر (cyclic-path) سے نکل جائیں کہ ایک تعلق سے نکلے اور دوسرے میں جا گرے۔ اور میری نظر میں وہ تعلق شادی کا تعلق ہے۔

ہاں، مسئلے کا ایک اور حل ہے اور وہ یہ کہ آپ خدا کی حسی محبت کے تعلق میں بندھ جائیں۔ تو یہ تعلق ایسا ہے جو آپ کو تمام تعلقات سے بے نیاز کر دیتا ہے اور ان کے بغیر بھی آپ ایک صحت مند زندگی گزار سکتے ہیں۔ بہت سے آئمہ دین نے شادی نہیں کی تھی جیسا کہ امام ابن جریر طبری، امام ابن تیمیہ، امام نووی رحمہم اللہ وغیرہ لیکن انہوں نے جو شاہکار تصنیف کیے ہیں یا ان کی امت کے لیے جو خدمات ہیں، وہ یہ ثابت کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک صحت مند زندگی گزاری ہے کہ اتنا بڑا کام ایبنارمل لائف کے ساتھ ممکن نہیں ہے۔ باقی شادی نہ کرنے کے بھی مسائل ہیں، وہ تو ہیں اور رہیں گے۔ اور یہ اس مسئلے کے حل کی کوئی ترجیحی (preferred) آپشن بھی نہیں ہے بلکہ ایک سیکنڈ یا گوارا آپشن کہہ لیں کہ بہر حال رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ زندگی گزاری ہے، دین نے ترغیب دی ہے کہ نکاح کرو۔ اور تمام اہل مذاہب بلکہ انسانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ شادی شدہ زندگی، غیر شادی شدہ زندگی سے بہتر ہے البتہ مسائل دونوں میں ہیں۔ تو ہمارے دین کا یہ بہت بڑا انعام ہے کہ شادی کے ذریعے قائم ہونے والے رشتے کو دائمی مجبوری نہیں بنایا کہ یہاں نہیں تعلق چل پایا تو دوسری جگہ کر لو۔ وہاں نہیں تو تیسری جگہ کر لو۔

ابو بکر نے چار شادیاں کیں، عمر نے نو کیں، عثمان نے نو کیں، علی نے نو کیں، طلحہ نے نو کیں، زبیر نے چھ کیں، عبد الرحمٰن بن عوف نے بیس کیں، سعد بن ابی وقاص نے گیارہ کیں، مغیر بن شبعہ نے ستر کیں رضی اللہ عنہم۔ یہ تو صحابہ کا حال ہوا اور یہی حال صحابیات کا تھا۔ عاتکہ حضرت عمر کی بیوی نے تین شادیاں کیں، عبد اللہ بن ابی بکر سے، عمر سے اور طلحہ سے رضی اللہ عنہم۔ اسماء بنت عمیس نے پانچ شادیاں کیں اور ان کے شوہروں میں حمزہ اور جعفر الطیار بھی شامل ہیں۔ ام کلثوم بنت عتبہ نے پانچ شادیاں کیں جن میں زبیر بن عوام، عبد الرحمٰن بن عوف، عمرو بن العاص اور زید بن حارثہ بھی شامل ہیں، رضی اللہ عنہم۔ سہلہ بنت سہیل نے چار شادیاں کیں۔ پھر ام کلثوم بنت علی نے تین شادیاں کیں۔ ام اسحاق بنت طلحہ نے تین شادیاں کیں، رضی اللہ عنہن۔ اگرچہ ان سب کیسز میں علیحدگی کے بعد ہی شادیاں نہیں ہوئیں بلکہ بعض صورتوں میں وفات کے بعد دوسری شادی ہوئی ہے لیکن کہنے کا مقصد یہ ہے کہ عربوں میں یہ ایک عام چیز تھی۔ ٹھیک ہے، ایک رشتہ قائم کیا تھا، نہیں چل سکا، چلیں دوسری جگہ قائم کر لیا۔

اب تو کیا ہے کہ شادی ہوئی نہیں لیکن ڈر اور خوف اتنا ہے کہ پہلے ہی سے طلاق، خلع یا علیحدگی کے خواب آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اکثر کنواری نوجوان لڑکیاں شادی سے گھبراتی ہیں کہ اپنی شادی شدہ سہیلیوں سے شادی کے اتنے فضائل سن رکھے ہیں کہ انہیں شادی ایک عذاب معلوم ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے، شادی شدہ زندگی میں ایشوز ہوتے ہیں لیکن صرف مسائل ہی نہیں ہوتے بلکہ راحتیں بھی ہوتی ہیں جو کہ ان کی سہیلیاں بیان نہیں کر رہی ہوتیں کیونکہ

عورت میں مرد کی نسبت زندگی کو مثبت زاویے سے دیکھنے کی صلاحیت کم ہوتی ہے اور یہی اس کی اصل آزمائش ہے۔ اللہ عزوجل نے عورت کو دنیا اور مال کے ذریعے آزمایا ہے اور مرد کی آزمائش عورت کو بنایا ہے۔ تو کسی کی آزمائش کچھ ہے اور کسی کی کچھ۔ لڑکیوں کے برعکس لڑکے اپنے دوستوں سے شادی شدہ زندگی کے مسائل سننے کے باوجود شادی کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد میں زندگی کو دیکھنے کا زاویہ بالکل مختلف ہے۔ اور وہ یہ کہ اس کی آخری خواہش عورت کا حصول ہے جو اس کے وجود یعنی پسلی سے علیحدہ ہوئی ہے۔ اور عورت کی آخری خواہش دنیا اور مال ہے۔ تو دونوں اپنے تناظر میں زندگی کو دیکھ رہے ہیں۔

تو بھئی کیا ہوا اگر شادی ناکام ہو گئی۔ زیادہ سے زیادہ علیحدگی ہو جائے گی، تو مر تو نہیں جائیں گے ناں۔ پہلے بھی زندگی گزر رہی ہے، پھر بھی گزرتی رہے گی یا گزر جائے گی۔ تو شادی کے تعلق کو ہم نے ایک ہَوا بنا دیا۔ جس وجہ سے وہ تعلق جو ہمارے بہت سے مسائل کا حل تھا، اب وہ تعلق قائم کرنا اور رکھنا ہی ایک مہا مسئلہ بن چکا ہے۔ شادی بھی ایک نارمل عمل ہے اور علیحدگی بھی۔ جب تک ان دونوں رویوں کو نارمل لیں گے تو یہ تعلق بھی نارمل رہے گا ورنہ ایبنارمل بن جائے گا۔ تو شادی کو نہ تو مقصد زندگی بنائیں کہ جیسے زندگی میں ایک ہی بار ہونی ہے لہٰذا اب اگلی پچھلی توقعات اور خوشیاں اس سے جوڑ لیں تا کہ جب ٹوٹے تو ان سب توقعات اور خوشیوں کے ساتھ آپ بھی ٹوٹ جائیں۔ تو یہ ایک نارمل تعلق ہے، سادگی سے شادی کریں، چھوٹا سا ایونٹ سیلیبریٹ کریں، کامیاب ہو گیا تو واہ بھلا، ناکام ہو گیا تو دوسرا تجربہ کر لیں گے۔ یہ عرب مزاج تھا، جس کی وجہ سے انہیں اس ایبنارمیلٹی کا سامنا نہیں تھا جو اس تعلق کے نام پر برصغیر میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

7- متعین سے عشق (Extreme Love for a Specific Person)

جب میں لَو انرجی کی بات کرتا ہوں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ میں متعین کی محبت کا قائل نہیں ہوں۔ میرا کہنا صرف یہ ہوتا ہے کہ اکثر کیسز میں متعین کی محبت نہیں ہوتی بلکہ لَو انرجی ہوتی ہے جسے آپ غلطی سے متعین کی محبت سمجھ لیتے ہیں حالانکہ وہ متعین بعض اوقات آپ

کے معیار، دینی ہو یا دنیوی، سے بھی بہت نیچے ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود آپ اس سے تعلق میں اٹک جاتے ہیں۔ عام حالات میں آپ اس سے تعلق کے بارے سوچتے بھی نہ لیکن اپنے بعض مخصوص حالات کی وجہ سے اس تعلق میں پھنس گئے ہیں۔ یا آپ اس کے تعلق سے نکلنا چاہتے ہیں لیکن نکل نہیں پا رہے تو یہ دونوں کیفیات بتلا رہی ہیں کہ آپ کا کیس لَو انرجی کا ہے نہ کہ متعین کی محبت کا۔

متعین کی محبت ہوتی ہے لیکن بہت کمیاب اور نایاب ہے۔ یہ عموماً اسی سے ہوتی ہے کہ جس پر صرف آپ نہیں بلکہ ایک دنیا مرتی ہو۔ مثلاً عورتوں میں حسن وجمال، پیکر (figure)، پہننا اوڑھنا، رکھ رکھاؤ، سلیقہ مندی اور خاندان وغیرہ مردوں کو اپٹریکٹ کرتا ہے اور کسی عورت میں یہ حد سے زیادہ ہو تو یہاں متعین کی محبت ہو سکتی ہے۔ اسی طرح مردوں میں وجاہت، شہرت واقتدار اور مال ودولت عورتوں کو اپٹریکٹ کرتا ہے اور اگر کسی مرد میں یہ ضرورت سے زیادہ ہو تو وہاں متعین کی محبت ہو سکتی ہے۔ یہ محبت بعض صورتوں میں حد سے بڑھی ہوئی بھی ہو سکتی ہے اور اسی کو عشق کہتے ہیں۔ اور یہ محبت میاں بیوی میں بھی ہو سکتی ہے۔ عربی زبان میں عشق کا معنی "الحب المفرط" کیا جاتا ہے یعنی حد سے بڑھی ہوئی محبت یا ضرورت سے زائد محبت ایک اچھا ترجمہ ہے۔

تو ہم ابھی اس محبت کے جواز یا عدم جواز پر بحث نہیں کر رہے جبکہ یہ میاں بیوی میں ہو لیکن ہمارا پہلا نکتہ تھا کہ تعلق ایک آزمائش ہے تو اس حوالے سے ہمیں یہ کہنا ہے کہ اس اخیر محبت میں بھی وہ ایک آزمائش ہی رہتا ہے، صرف راحت نہیں بنتا۔ میں کسی ناول یا ڈرامے کی کہانی سے حوالہ نہیں دینا چاہتا اگرچہ تاریخ انسانی میں بہترین رومانوی ناول اور کہانی بھی وہی قرار پائی ہے کہ جس کا اختتام ٹریجڈی پر ہوا ہو کہ ٹریجڈی نفس انسانی پر اپنا اثر دیر تک قائم رکھتی ہے، یہ انسانی نفسیات ہیں۔ اب ناول نگار اپنے ناول کو ٹریجڈی کے ساتھ ختم کر کے اپنے ریڈر کی نفسیات سے کھیلتا ہے یا حقیقت اور رئیلیٹی کو بیان کرتا ہے، یہ اس وقت میرا موضوع نہیں ہے۔ اس کے لیے ادبی نقد (literature-criticism) میں بہت کچھ پڑھنے اور

سوچنے کو موجود ہے۔ میرا موضوع اس وقت ایک حقیقی واقعے کا بیان اور اس کا تجزیہ ہے تاکہ انسانی تعلق اور اس سے جڑی انسانی نفسیات کو سمجھنے میں مدد ملے اور ہمارے لیے انسانی تعلق کے ساتھ جڑے دکھ درد کو کو سمجھنا اور سہنا آسان ہو سکے۔

صحابیات میں ایک بڑا نام عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا کا ہے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کزن تھیں اور بہت حسین و جمیل اور رکھ رکھاؤ والی خاتون تھیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے تھے، عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، ان میں بھی بہت وجاہت تھی۔ انہوں نے انہیں کہیں دیکھ لیا تو نکاح کا پیغام بھیجا اور نکاح ہو گیا۔ نکاح کے بعد وہ ان کی محبت میں ایسے مشغول ہوئے کہ جہاد و نماز میں سستی پیدا ہونے لگی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کی یہ کیفیت دیکھی تو کہا کہ بیوی کو طلاق دے دو۔ عبد اللہ نے بیوی سے تعلق میں محبت بھرے اشعار کہے جو تاریخ کا حصہ بن گئے اور طلاق سے مجبوری ظاہر کی۔ ابو بکر بھی پھر ابو بکر تھے رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیٹے کو مجبور کیا یہاں تک کہ قسم دی تو بیٹے نے طلاق دے دی۔ طلاق کے غم میں عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کسی کام کے نہ رہ گئے۔ ہر وقت دھوپ میں پڑے رہتے اور پہلے سے بھی بری کیفیت ہو گئی۔

عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اسی غم اور فراق کی کیفیت میں عاتکہ رضی اللہ عنہا کے لیے شعر و شاعری کی جو تاریخ کا حصہ بن گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جب یہ اشعار پہنچے تو دل بھر آیا، اور پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس سانحے پر اشعار کہے جو تاریخ کا حصہ بنے اور بیٹے کو رجوع کا حکم دیا۔ بیٹے نے رجوع کر لیا۔ عبد اللہ کی عاتکہ رضی اللہ عنہا سے محبت اتنی شدید تھی کہ یہ وعدہ لے لیا کہ میرے بعد کسی سے شادی نہیں کرو گی اور عاتکہ رضی اللہ عنہا نے وعدہ کر بھی لیا۔ اور اس شرط کے بدلے عبد اللہ نے ایک باغ عاتکہ رضی اللہ عنہا کے نام کر دیا۔ عبد اللہ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے یعنی یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے شروع ہوا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک نمایاں رہا ہے۔ عبد اللہ کی شہادت کے بعد عاتکہ رضی اللہ عنہا نے ان کی محبت میں مرثیے کہے جو تاریخ کا حصہ بن گئے

اور بڑے بڑے لوگوں نے عاتکہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ختم ہونے کو آیا تو ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہ میں نے خواب دیکھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے، آپ خلیفہ بن گئے اور عاتکہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو ڈانٹ دیا اور ڈانٹنے کی وجہ شاید خلیفہ بننے والی بات تھی۔

لیکن خدا کرنا ایسا ہی ہوا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر گئے۔ حضرت عمر خلیفہ بن گئے تو انہوں نے عاتکہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھجوایا، اور وہ ان کی کزن بھی تھیں، کہ یہ شرط لگانا حرام ہے کہ عبد اللہ کے بعد کسی سے شادی نہیں کروں گی اور ساتھ میں نکاح کا پیغام بھی بھجوا دیا۔ اب یہاں دو روایتیں ہیں، طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق عاتکہ رضی اللہ عنہا نے پیغام نکاح سے انکار کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ولی سے کہہ کر نکاح کروالیا۔ نکاح کے بعد حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قریب نہ آنے دیا لیکن اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے ان کی مرضی کے بغیر تعلق قائم کیا اور پھر انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد عاتکہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے معذرت کر کے انہیں اپنے پاس بلوا لیا لیکن یہ واقعہ اپنی تفصیلات کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان کے شایان شان نہیں ہے لہٰذا منکر روایت ہے۔ اس روایت کی سند میں ایک تو انقطاع ہے کہ علی بن زید بن جدعان کی عاتکہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ثابت نہیں ہے، دوسرا یہ راوی محدثین کے نزدیک قابل احتجاج نہیں ہے بلکہ بعض نے اسے "منکر الحدیث" بھی کہا ہے یعنی اس کی احادیث میں نکارت اور اجنبی پن ہے۔

البتہ ایک دوسری روایت کہ جسے الاصابہ میں ابن حجر رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے، اس کے مطابق خود عاتکہ رضی اللہ عنہا نے شادی کے لیے حامی بھری تھی۔ اسی طرح الموطا اور مصنف

ابن ابی شیبہ کی صحیح روایت میں ہے کہ عاتکہ رضی اللہ عنہا، عمر رضی اللہ عنہ کو روزے کی حالت میں سر پر بوسہ دیتی تھیں۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے مرثیے کہے۔ تو یہ روایات واضح کرتی ہیں کہ انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سچا تعلق تھا اور یہ کوئی زبردستی کا ایک طرفہ تعلق نہ تھا۔

اور الموطا کی روایت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ عاتکہ رضی اللہ عنہا کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ شوہر سے تعلق کا اظہار جانتی تھیں کہ جو عموماً عورتوں میں نہ ہونے کے برابر ہے کہ مرد کا شکوہ یہی ہوتا ہے کہ عورت کو بس تعلق لینا آتا ہے، دینا نہیں آتا اور یہ بحث ہم آگے چل کر کریں گے۔ نکاح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کے ساتھ بھی یہ جس ٹھکے کے ساتھ رہی ہیں، وہ بھی ایک داستان ہے۔ روایات کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں نماز کے مسجد جانے سے روک نہیں پاتے تھے اور یہ بات ان سے کہتے ہوئے جھجکتے بھی تھے۔ یہاں تک کہ ایک صحابی نے عاتکہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ آپ کے مسجد میں آکر نماز پڑھنے کو پسند نہیں کرتے ہیں اور اس پر غیرت کھاتے ہیں۔ تو عاتکہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے خود بات کیوں نہیں کرتے یعنی تمہیں درمیان میں واسطہ بننے کی کیا ضرورت ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عاتکہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو کہ عبداللہ کی بہن تھیں، نے عاتکہ کی بے وفائی پر کچھ اشعار کہے جو تاریخ کا حصہ بن گئے اور عاتکہ رضی اللہ عنہا کو اپنا وعدہ یاد دلایا بلکہ یہ بھی کہا کہ جب ہمارے بھائی کا وعدہ توڑ دیا ہے تو باغ واپس کر دو۔ تو عاتکہ رضی اللہ عنہا نے باغ واپس کر دیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اجازت چاہی کہ میں ان سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ تو حضرت علی نے بھی کہا کہ عاتکہ رضی اللہ عنہما تمہارے اس وعدے کا کیا ہوا؟ تو حضرت عمر نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہما، اب چھوڑ بھی دو۔ یہ عورتوں کی عادت ہے۔ عورتوں کی عادت ہے، سے شاید حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ عورت جس مرد کے ساتھ متعلق ہو جاتی ہے، تو سب کچھ اس پر نچھاور کر دیتی ہے۔ پہلا شوہر اچھا لگا تو اس کے ساتھ اتنی مخلص ہو گی کہ کہے گی کہ میں تو اب زندگی بھر کسی دوسرے مرد کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اور اگر دوسرا شوہر بھی بھا گیا تو اب سارا اخلاص اور تعلق اس پر انڈیل دے گی۔ ویسے میری بیوی بھی مجھے اکثر یہی کہتی ہے کہ تمہارے بعد میں شادی نہیں کروں گی، بس تعلق زندگی میں ایک مرتبہ ہی قائم کیا جاتا ہے، بار بار نہیں، اور تعلق وہی اچھا ہے کہ جس میں پرانا پن ہو یعنی جو پرانا ہو۔ اچھی بیوی مخلص ہوتی ہے، اپنے تعلق میں بھی اور جذبات میں بھی کیونکہ اس کے تعلق کا سینٹرل ریفرنس خدا بن جاتا ہے اور وہ خدا کے لیے وہ تعلق قائم کرتی ہے، خدا کے لیے وہ تعلق چلاتی ہے۔ تو اگر دوسرے شوہر سے بھی اسے اخلاص کا تعلق قائم ہو جائے تو بعید نہیں ہے بلکہ عین ممکن ہے جبکہ دوسرے شوہر سے اس کے تعلق میں خدا کا واسطہ موجود ہو۔

حضرت عمر بھی شہید ہو گئے تو حضرت زبیر بن عوام نے عاتکہ سے شادی کر لی، رضی اللہ عنہم۔ پھر وہ بھی جنگ جمل میں شہید ہو گئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہ ٹھکے سے رہیں بلکہ ان دونوں حضرات کے ساتھ شادی سے پہلے عاتکہ رضی اللہ عنہا نے کچھ شرائط بھی منوائیں تھیں جیسا کہ یہ کہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد جانے سے انہیں نہیں روکیں گے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان کے مسجد جانے سے تنگ تھے لیکن شرط کی وجہ سے روک نہیں سکتے تھے۔ تو ایک دن اندھیرے میں ان کے رستے میں چھپ کر بیٹھ گئے اور جب وہ مسجد جا رہی تھیں تو انہیں چھیڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے مسجد جانا بند کر دیا کہ زمانہ خراب ہو گیا ہے، لوگ چھیڑتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہی بہتر تھا۔

حضرت زبیر کی شہادت کے بعد حضرت علی نے عاتکہ کو نکاح کا پیغام بھیجا، رضی اللہ عنہم، لیکن عاتکہ نے جواب میں یہ کہا کہ لوگ یہ کہنا شروع ہو گئے ہیں کہ جس نے شہید ہونا ہے، وہ عاتکہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لے اور میں آپ کی شہادت نہیں چاہتی۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت علی کی وفات کے بعد حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ان کا نکاح

ہو گیا اور یہ آخری نکاح تھا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی زہر دے کر شہید کر دیے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے کوئی نکاح نہ کیا اگرچہ پیغام دینے والے بہت تھے۔ اس واقعے کی تفصیلات طبقات ابن سعد، الاستیعاب لابن عبد البر، الاصابہ لابن حجر اور معرفۃ الصحابہ لابی نعیم میں موجود ہیں۔ تو محبت کا آئیڈیل تعلق بھی آزمائش ہی رہے گا۔ آپ خوبصورت سے خوبصورت بیوی لے آئیں، اور آپ کو ایٹی چیوڈ نہ دکھائے کیسے ممکن ہے؟ اسی طرح کا حال مرد کا بھی ہے کہ مرد کا اگر کچھ سوشل اسٹیٹس ہو گا تو اس کا دباؤ بھی اپنی بیوی پر رکھے گا۔ ہاں، البتہ بعض اوقات تعلقات میں اونچ نیچ فائدہ بھی دے جاتی ہے جبکہ دوسرا اس کا احساس کرنے والا ہو کہ وہ مجھ سے تعلق قائم کرنے میں اپنی حیثیت سے نیچے آیا ہے یا آئی ہے لہٰذا مجھے اس کا کرنا ہے۔ ورنہ عموماً میاں بیوی کے تعلق میں ٹکر کے رشتوں میں الجھنیں زیادہ بڑھ جاتی ہیں اور خاص طور جبکہ وہ آپس میں کزن بھی ہوں یعنی ایک ہی خاندان ہو۔

تو عبد اللہ بن ابی بکر اور عاتکہ رضی اللہ عنہما کا اتنا مثالی تعلق لیکن دو اعتبار سے آزمائش بنا، ایک عبد اللہ کے دین کے لیے، اور دوسرا عاتکہ کی دنیا کے لیے، کہ عبد اللہ کے بعد انہیں جس آزمائش سے گزرنا پڑا بلکہ ہر وہ شخص کہ جس کا ان سے تعلق قائم ہوا، اس کا آزمائش میں مبتلا ہونا زبان زد عام وخاص ہو گیا یہاں تک عاتکہ یہ کہتی تھیں کہ میں جتنے لوگوں سے بھی شادی کر لوں، شہادت ان کا مقدر بن جائے گی۔ تو خیر القرون اور بعد کے زمانوں میں ایسے بہت سے انسانی تعلقات کا ہمیں تذکرہ ملتا ہے۔ تو انسانی تعلق کوئی نئی دریافت نہیں ہے کہ جسے آج ہم نے دریافت کر لیا ہو۔ اس کا تجربہ انسانوں کو ہمیشہ سے رہا ہے، بس اسلامی ورثے سے ان تجربات کی روشنی میں کچھ نتائج اخذ کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں پہلوں کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تعلق کیسا ہی خوبصورت تھا! ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک دوسری شادی نہیں کی جب تک کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا حیات رہیں۔ یہی

معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی البتہ ان کے بعد پھر کافی ساری کی ہیں۔ اسی طرح صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی تعلق پر غیرت نہیں آتی تھی البتہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جب ذکر آتا تو آپ اس طرح ان سے تعلق کا اظہار کرتے تھے کہ مجھے غیرت آ جاتی تھی اور میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتی تھی کہ دنیا میں تو شاید خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی اور عورت ہے ہی نہیں۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ تو میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تذکرے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہہ دیا کہ اب تو اللہ عزوجل نے آپ کو ان سے بہتر تعلق دے دیا ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً کہا کہ مجھے ان کا بدل نہیں ملا۔ انہوں نے اس وقت میری تصدیق کی جبکہ لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا تھا، اس وقت مجھے مال دیا جبکہ لوگوں نے روک لیا تھا۔ تو یہ وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ انہوں نے مشکل وقت میں آپ کا ساتھ دیا تھا۔

یہ ہے سچی محبت اور اس کی بنیادیں جو کبھی کھوکھلی نہیں ہوتیں، کبھی رائیگاں نہیں جاتیں یعنی مشکل وقت میں خاوند کے کام آنا، تعلق کا جو اثر اس کے دل پر چھوڑ جاتا ہے، وہ زندگی بھر قائم رہتا ہے۔ مجھے اپنی بیوی کی وہ بات نہیں بھولتی کہ شادی کے شروع کے دنوں میں جبکہ پیسے بھی نہیں ہوتے تھے، نہ میرے پاس اور نہ اس کے پاس، جتنے پیسے تھے، میں نے اسے پکڑائے، وہ تھے بھی کتنے، چند ہزار، اس نے ایک سستا سا بیڈ خریدا اور ایک سیکنڈ ہینڈ گدا، پیشاب کی بدبوؤں سے بھرا ہوا، اسے گھر لا کر صَرف سے دھویا، اور بیڈ پر بچھا دیا، مجھے مہینے بعد پتہ چلا کہ یہ سیکنڈ ہینڈ گدا ہے۔ اور مجھے یہ معلوم ہے کہ اس کے مزاج کی نفاست مجھ سے دس گنا زیادہ ہے لیکن اس نے مجھ پر بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ سیکنڈ ہینڈ گدا ہے کہ اِسے محسوس ہو گا حالانکہ

محسوس کرنا تو اُس کا بنتا تھا میرا نہیں کہ یہ ذمہ داری میری تھی، اُس کی نہیں۔ اور وہ یہ سب کچھ اس لیے کر پائی تھی کہ اس نے اس تعلق میں خدا کو سینٹرل ریفرنس بنالیا تھا۔

اسی طرح الادب المفرد کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی تحفہ یا کھانے کی چیز لائی جاتی تو آپ کہتے کہ فلاں کو بھجوادو کہ اسے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تعلق اور محبت ہے اور وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی ہوتی تھیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تعلق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہا حالانکہ انہیں اس وقت اس تعلق کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اور پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ تیسری شادی تھی جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود ایسا خوبصورت تعلق۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج سے تعلق کا اظہار کیسے فرماتے تھے، اس کی بھی کئی ایک روایات موجود ہیں۔ ایک صحیح روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔ سائل نے پوچھا کہ اس کے بعد کس سے؟ تو آپ نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے باپ سے۔ یعنی یہاں بھی جواب میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہیں کہا بلکہ زوجہ محترمہ کو ریفرنس بنایا تا کہ وہ خوش ہوں اور ان کا دل ٹھنڈا رہے۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ متعین کی محبت بھی اگر تو حد سے بڑھی ہوئی ہے تو آزمائش سے خالی نہیں ہے، اللہ عزوجل نے انسانی تعلق کو ایک آزمائش بنایا ہے لہٰذا اسے آزمائش رہنا ہے، یہی اس کی تقدیر ہے۔ اور اگر معتدل ہے تو بھی آزمائش زندگی میں نہ سہی، جانے کے بعد بن جاتی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تعلق اس طرح آزمائش بن گیا کہ جس سال میں ان کی وفات ہوئی، وہ سال "عام الحزن" کہلایا یعنی غم کا سال۔ پس تعلق کی آزمائش سے نکلنے کی سوچ درست نہیں ہے البتہ یہ کہ اس کی آزمائش کم ہو جائے یا اس کی آزمائش کے ساتھ جینا آ جائے تو یہ فن سیکھنا بہت ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو مومن لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور ان سے پہنچنے والی آزمائش پر

صبر کرتا ہے، وہ اس مومن سے بہتر ہے جو لوگوں سے نہیں ملتا اور ان سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر بھی نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے انسانی تعلق ہماری ایویلیوایشن کے لیے بنایا تھا، راحت نفس تو اس کا ثانوی مقصد تھا۔ اسی لیے تو اسلام نے رہبانیت یعنی لا تعلّقی کی زندگی کی نفی کی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ حد سے بڑھی ہوئی محبت کی تکلیف اور آزمائش بھی حد سے بڑھی ہوتی ہے لہٰذا محبت میں توازن ہی اچھا ہے، چاہے پارٹنر سے ہی کیوں نہ ہو۔

8- تعلق/محبت کی جنت (Paradise of Love)

جنت کی تلاش، رحیم گل کا ایک معروف ناول ہے اور میں نے جتنے بھی ناولز پڑھے ہیں، ان میں یہ میرا ابھی تک کا پسندیدہ ترین ناول ہے۔ اس کے پسندیدہ ہونے کی دو وجوہات ہیں؛ ایک اس کی سلیس اور بلیغ زبان۔ اور بلیغ زبان اس زبان کو کہتے ہیں جو سید ھا دل پر جا کر لگے کہ یہ عربی لفظ بلوغ سے ہے کہ جس کا معنی پہنچنا ہے۔ اس ناول کے جملے کم از کم میری تو روح میں اتر جاتے ہیں، احساسات وجذبات کو مَس کرتے ہوئے۔ اور اس ناول کی خوبصورتی اس کے ڈائیلاگز ہیں۔ ایک جگہ ناول کے ہیرو اور ہیروئن میں بحث ہو رہی ہوتی ہے تو ہیرو، اپنی ہیروئن سے کہتا ہے کہ تم زندگی کو منفی رخ سے ہی کیوں دیکھتی ہو، اس کا مثبت رخ بھی دیکھو، کیا وہ نہیں ہے؟ تو ہیروئن جواب میں کہتی ہے ہاں، زندگی کا روشن پہلو شاید یہی ہو گا کہ "شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور سارا شہر روشن تھا۔" کمال ہے! اس نے زندگی کو تاریک پہلو سے ہی دیکھا ہے اور اگر کچھ روشنی بھی دیکھی ہے تو وہ بھی تاریکی کی کھڑکی سے۔ شعلے آسمان سے بات کر رہے تھے یعنی شہر جل رہا تھا، جنگ کی آگ میں، رات کی تاریکی میں، اور جنگ کے ان شعلوں نے سارے شہر کو روشن کر رکھا تھا۔ اس ناول کی دوسری خوبصورتی تلاش حقیقت میں گہرائی اور سچائی سے سفر کرنے کی عاجزانہ کوشش ہے۔

رحیم گل نے انسانی تعلق کو بھی اس ناول کا بنیادی موضوع بنایا ہے اور میں یہ چاہوں گا کہ انہوں نے اپنے شاہکار میں انسانی تعلق کے حوالے سے جو سوالات اٹھائے ہیں، ان کا ذکر کر کے پھر ان پر تبصرہ بھی کروں۔ انسانی تعلق پر گفتگو کرتے ہوئے رحیم گل ایک بڑا آدمی معلوم

ہوتا ہے۔ بڑا آدمی اسے کہتے ہیں کہ جس کے بعد آپ اس موضوع پر گفتگو کریں، جس پر وہ کر چکا ہو، تو آپ اسے نظر انداز نہ کر سکیں، بھلے موافقت اختیار کریں یا اختلاف کریں۔ بڑا آدمی اسی کو کہتے ہیں جو کسی موضوع پر گفتگو کر لے تو اس موضوع پر مستقبل میں گفتگو کرنے والے ہر شخص کو اپنے ساتھ انگیج کر لے کہ میرا حوالہ دیے بغیر تمہاری گفتگو ناقص رہے گی۔ مجھے ریسپانس دیے بغیر تم اس میدان میں اپنا کوئی مقام پیدا نہیں کر سکتے۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ رحیم گل اتنا بڑا آدمی نہیں تھا اور اس کا یہ ناول کسی انگریزی ناول کا خلاصہ یا ترجمہ یا سرقہ ہے۔ لیکن میرا انگریزی کے بارے کوئی مطالعہ نہیں ہے لہٰذا اس حوالے سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ رحیم گل نے جن سوالات کو اٹھایا ہے، وہ سوالات اس سے پہلے سے موجود ہیں لیکن رحیم گل کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے سلیس اور بلیغ زبان میں ان تمام سوالات کو نہ صرف جمع کر دیا بلکہ ان کے جوابات کی تلاش میں اپیروچ بھی ایسی رکھی ہے کہ اس میں مصنف کا جھکاؤ، میلان یا تعصب ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا ہے۔

البتہ بعض مقامات پر رحیم گل صاحب کی اپیروچ سے اتفاق بالکل بھی ممکن نہیں ہے، خاص طور خدا سے تعلق کے حوالے سے ان کی سوچ اور نقطہ نظر بالکل غلط ہے۔ وہ اگرچہ خدا کے وجود کے قائل ہیں لیکن ایک ایسے خدا کے وجود کے کہ جس پر تمام انسانوں کا اتفاق ہو سکے جو نہ تو صرف مسلمانوں کا خدا ہو اور نہ ہی محض غیر مسلموں کا بلکہ سب کا ہو۔ وہ دراصل مذہبی لوگوں کی وجہ سے مذہب سے رد عمل میں ہیں اور مذہب سے رد عمل نے ان میں خدا کے مذہبی تصورات سے ایک گونا بے اعتنائی پیدا کر دی ہے۔ بہر حال یہ ہمارا اس وقت کا موضوع نہیں ہے البتہ انسانی تعلق کے حوالے سے رحیم گل صاحب کے بعض تجزیات بہت مفید بھی ہیں اور معتدل بھی۔ رحیم گل کے ناول کا بنیادی سوال انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ یہ ہے لیکن اس سوال کے جواب سے بھی ہمیں اتفاق نہیں ہے کیونکہ جو جواب انہوں نے نکالا ہے، کہ یہ زندہ رہنے کی کوئی معقول وجہ ہو سکتی ہے، وہ جواب نہیں ہے بلکہ ایک اور سوال ہی ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔ یہ سوال تو کچھ اگلے درجے کا ہے کہ انسانی تعلق جب حاصل

ہو جائے جیسا کہ انسان چاہتا ہے تو اب کیا کرے؟ اب زندگی گزارنے کا کیا مقصد باقی رہ جاتا ہے؟ اس پر ہم گفتگو کریں گے، اس وقت یہاں یہ کہنا مقصود ہے کہ انسانی تعلق اور محبت بھی ان کے ناول کا ایک اہم سوال رہا ہے۔

انسانی تعلق اور محبت کی ناپائیداری اور عارضی ہونے کا المیہ بیان کرتے ہوئے رحیم گل صاحب لکھتے ہیں: "انسان جب پہلی بار محبت میں مبتلا ہوتا ہے، تو محبوب کی ایک جھلک کے لیے پہروں کھڑا رہ سکتا ہے۔ پھر اس کے بوسے کی خواہش تڑپاتی ہے۔ جب اسے یہ بھی میسر آ جاتا ہے، تو پھر مہینوں اس پر مدہوشی اور سرشاری کا عالم طاری رہتا ہے۔ پھر دھیرے دھیرے وہ تڑپ، وہ کپکپی، وہ گدگدی، وہ گرمی، وہ تشنگی اور وہ لرزا دینے والی کیفیت اپنی گرفت ڈھیلی کرتی چلی جاتی ہے۔ آخر میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ نہ وہ راحت، نہ وہ لذت اور نہ وہ حرارت۔ ہر چیز ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرا بوسہ، پہلے بوسے کی طرح تسکین بخش نہیں ہوتا۔ دوسرے تجربے میں پہلے تجربے کی طرح والہانہ پن نہیں ہوتا۔ ہر دوسرا اور تیسرا لمس، باسی روٹی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ حسن اس وقت تک انمول ہے، جب تک چھوا نہیں گیا۔ جسم اس وقت تک خوبصورت ہے، جب تک ٹٹولا نہیں گیا۔ راز اس وقت تک راز ہے، جب تک فاش نہیں ہوتا۔ آخر میں آدمی سوچنے لگ جاتا ہے کہ یہ خوشی پارے کی سی تڑپ کیوں کھو بیٹھی ہے؟ یہ تھک کیوں جاتی ہے؟۔۔۔ ایسی بھیانک انتہا۔۔۔ منزل پر پہنچ کر منزل کی جستجو۔۔۔ آخر کیا معنی۔۔۔؟"

جب تعلق اور محبت حاصل ہو جائے تو اس کے بعد کسی نئی محبت کی تلاش اور جستجو میں لگ جانے کا مرثیہ کہتے ہوئے لکھتے ہیں: "ایک خوبصورت پھول آپ دیکھتے ہیں۔ آپ کو اچھا لگتا ہے۔ اس سے زیادہ خوبصورت پھول آپ دیکھتے ہیں۔ وہ بھی آپ کو اچھا لگے گا۔۔۔ ظاہر ہے کہ پسندیدگی ایک مقام پر آ کر رک نہیں جاتی۔۔۔ تب یہ بھی ہو گا آپ ایک عورت کو پسند کرتے ہیں، لیکن جب اس سے خوبصورت عورت دیکھتے ہیں، تو اسے بھی پسند کریں گے۔۔۔ تو پھر پختگی کیا، محبت کیا اور پیغام کیسا۔۔۔ سب ڈھکوسلے ہیں۔" ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "میں

بات پوچھتا ہوں۔ محبت کو لافانی جذبہ کیوں کہا گیا۔ ہمارے شاعر اور ادیب نے اسے کیوں سراہا؟۔۔۔آپ کی نظر میں وہ تمام ادب بے کار ہے جو عورت کی محبت کے گن گاتا ہے؟۔۔۔ ہاں۔۔۔ جن لوگوں نے ایسا ادب تخلیق کیا ہے، درحقیقت انہیں عورت نصیب ہی نہیں ہوئی۔۔۔ انہیں زندگی میں ایک آدھ بھینگی اور بھدی عورت کے سوا کچھ نہ ملا۔ نامرادی نے نڈھال کر دیا، تو من کی تسلی کے لیے ایک ذہنی لیلیٰ کی تخلیق کی اور اس سے آسمانی روایات وابستہ کر دیں۔۔۔ ہمارا فنکار بھوکا ہے۔ روٹی کا بھی، عورت کا بھی۔۔۔ اسے زندگی میں ایک آدھ عورت نصیب ہوتی ہے۔ اس کی ایک ایک رگ، ایک ایک نس اور ایک ایک روئیں کو ٹٹولتا ہے۔ جب کوئی راز باقی نہیں رہتا، تو تجسّس اور راز جوئی کی خواہش بھٹکا کر اسے خیالوں کی وادی میں لے جاتی ہے۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ادب میں لیلائے خیال کا راج ہے"۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "عورت کا طلسم بہت جلد ٹوٹ جاتا ہے۔ جس طرح ایک خوبصورت منظر ایک بار دیکھنے کے بعد انسان آگے سفر شروع کر دیتا ہے اور کسی نئے منظر کو دیکھنے کا متمنی ہوتا ہے، اسی طرح عورت کا ساتھ بھی تھوڑی سی مسافت کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔"

متعین کی محبت کی بنیاد اگر مادی ہو مثلاً حسن، جوانی، پیکر (figure) وغیرہ تو جیسے ہی وہ ختم ہو جاتا ہے تو محبت بھی جاتی رہتی ہے اور سچا عاشق تک اپنے محبوب کو دیکھنے تک سے انکار کر دیتا ہے۔ ناول میں ایک موقع پر ایک بلوچی اور قبائلی جوان توکلی کی کہانی بیان کرتے ہوئے کہا کہ سترہ سال کی عمر میں وہ قبیلے سے جدا ہوا، خانہ بدوشوں کے خیمے میں پہنچ کر بے ہوش ہو گیا۔ ایک لڑکی نے اسے سنبھالا دیا، اور پہلی نظر میں اسے اس لڑکی سے عشق ہو گیا۔ لڑکی نے کہا کہ دو دن پہلے اس کی شادی ہو گئی ہے۔ توکلی نے اس کے غم میں اشعار کہے، محبت کا ایسا والہانہ پن تو اس لڑکی کو اپنے شوہر سے بھی نصیب نہ ہوا تھا، لیکن اب کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ توکلی چلا گیا اور اس لڑکی کے عشق میں شاعری کرنے لگا۔ اس کی محبت کے نغمے گلی گلی گونجنے لگے، لوگ اظہار محبت کے لیے اس کی شاعری اور کلام کو حوالہ بناتے تھے۔ چالیس سال بعد اس لڑکی کا خاوند فوت گیا، اولاد جوان ہو گئی، اسے توکلی کی محبت کا علم اور خبر تھی، وہ بن سنور کر اس سے ملنے

آئی کہ وہ خوش ہو گا لیکن محبوبہ کی عمر پچپن برس ہو چکی تھی، توکلی نے پچپن برس کی عورت کو دیکھا تو چیخ کر کہنے لگا: "نہیں نہیں ۔۔۔ یہ نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے وہ ۔۔۔ مجھے کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔ میں اسے پہچانتا ہوں۔ جانتا ہوں۔ چالیس برسوں سے جانتا ہوں۔ چالیس برسوں سے اس کے ساتھ رہا ہوں۔۔۔ نہیں نہیں ۔۔۔ توکلی اتنی آسانی سے بے وقوف بننے والا نہیں۔"

توتوکلی بہت پیچھے رہ گیا تھا، چالیس سال پیچھے تھا، وہ بھی پندرہ سالہ لڑکی کے ساتھ جبکہ وہ لڑکی بڑھاپے میں قدم رکھ چکی تھی، اس نے چالیس برس پندرہ سالہ لڑکی کی تخیلاتی صحبت میں گزارے تھے لیکن حقیقت اس سے بہت آگے بڑھ چکی تھی، وہ رکا ہوا تھا، اور اس کا رکنا غلط تھا کہ وقت رکتا نہیں ہے، بھلے آپ رک جائیں، وہ چلتا رہے گا، حقیقت کو پانا ہے تو وقت کے ساتھ چلنا سیکھیں۔ شادی کے بعد سال چھ ماہ ہنی مون کا ایک پیریڈ ہوتا ہے، اسے واپس لانا ممکن نہیں ہے اور اسی میں ہی رہتے رہنا بھی بہت بڑی بے وقوفی ہے، وہی جو توکلی نے کی ہے، بہت زیادہ ماضی کی خوشگوار یادوں میں رہنے سے حال کی حقیقت کو قبول کرنا مشکل ہو جائے گا، اور پھر اگلا درجہ ذہنی توازن کھو بیٹھنے کا ہے۔ تو وقت ایک جیسا نہیں رہتا اور نہ ہی محبوب ایک جیسا رہتا ہے لہٰذا محبت بھی ایک جیسی نہیں رہتی جبکہ اس کی بنیاد مادی چیزیں ہوں۔ تو مادی بنیادوں پر محبت کی ہے، ٹھیک ہے لیکن اب حقیقت کو قبول کرنے کا حوصلہ بھی پیدا کریں کہ سچ یہی ہے کہ مادے کو زوال ہے لہٰذا ہر مادی تعلق کا انجام کار بھی زوال ہی ہے۔ اس زوال پر راضی ہو جائیں کہ اس کا عروج بھی تو آپ نے ہی دیکھا ہے۔ اور تعلق کو چلائیں جیسا اور جتنا ملتا ہے۔

ناول میں ایک مقام پر ڈپٹی کمشنر ذکی الدین اور اس کی خوبصورت بیوی کو ہیروئن امتل یہ کہتی ہے کہ آپ دونوں کا رشتہ مصنوعی ہے، اس میں سچائی نہیں ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے اپنی بیوی سے اس کی خوبصورتی کی وجہ سے شادی کی اور اس کی بیوی نے اس کے عہدے کی وجہ سے۔ لہٰذا یہ تعلق زیادہ دیر چل نہیں سکتا۔ ڈپٹی کمشنر کی بیوی امتل کو کہتی ہے کہ ہماری محبت اور عقیدت

پر شک نہ کرو تو وہ جواب میں کہتی ہے: "کم از کم آپ کی عقیدت پر تو میں شک نہیں کرتی کیونکہ یہ آپ کا اقتصادی مسئلہ ہے۔ ہمارے دور کی ہر عورت کا خواب ہی سی ایس پی پر آکر ختم ہو جاتا ہے۔آپ کو اپنے حسن اور تعلیم کا پورا پورا صلہ مل چکا ہے اور جناب ذکی الدین [ڈپٹی کمشنر] تو خیر ابھی پہلی منزل میں ہیں۔ابھی یہ اور کئی تجربے کریں گے۔۔۔آپ کا حسن دو چار سال میں ماند پڑ جائے گا، مگر ڈپٹی کمشنر صاحب کا کچھ نہیں بگڑے گا۔اس لیے ان کا سفر جاری رہے گا۔"

تو مادی بنیادوں پر تعلق کا ایک اور المیہ یہ ہے کہ اگر پہلے سے بہتر مادہ نظر آیا تو اب اس مادے کی طرف دل متوجہ ہو گیا۔اور اگر دوسرا مادہ پہلے سے بہتر نہ بھی ہو تو بھی مادے سے دل اکتا جاتا ہے اور ایک نئے مادے کی تلاش میں جُت جاتا ہے کہ ایک مادے میں یہ خاصیت ہی نہیں ہے کہ وہ انسان کو زندگی بھر کے لیے اپنے سے متعلق رکھ پائے لہٰذا انسان مادے کی شکلیں بدل بدل کر ان سے تعلق قائم کر کے اپنے آپ کو اس احساس سے خوش کرتا رہتا ہے کہ اس کا تعلق ایک نئی شئ سے جڑ گیا ہے جو اب اسے ابدی خوشی دے گی لیکن وہ شئ بھی بالآخر مادہ ہی ہوتی ہے، یہ احساس بھی انسان کو جلد ہی ہو جاتا ہے اور آخر کار وہ ہر تعلق ہی سے نکل جانے کی سوچتا ہے۔جو شخص ہر تعلق ہی سے نکل جانے کی سوچتا ہو تو اسے کبھی انسانی تعلق میسر ہی نہیں آیا ہے، مجھے تو یہی لگتا ہے۔اسے جو انسانی تعلق میسر آیا ہے، وہ مادے کا تعلق تھا یعنی اس انسان سے جڑے ہوئے مادے مثلاً حسن وجمال، مال ودولت، حسب ونسب، جاہ واقتدار، شہرت وعزت وغیرہ کا تعلق۔

تو پھر کیا مادی تعلق یا مادی محبت کوئی محبت نہیں ہے۔ نہیں یہ محبت ہے، اس کا وجود ہے، اس کی سرشاری بھی ہے، خوشی بھی ہے لیکن عارضی ہے، دائمی نہیں۔رحیم گل صاحب لکھتے ہیں:
"ابتدا میں ہر آدمی اس فریب میں مبتلا رہتا ہے کہ مجھ جیسا سچا عشق کسی نے نہ کیا ہو گا، لیکن المیہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر بے پناہ خلوص اور فریفتگی کا مظاہرہ نہیں ہوتا، لیکن زندگی

میں ایک آدھ بار ہی دیانتدارانہ سپردگی کا موقع ملتا ہے۔ انسان اس موقع کو زندگی کی معراج سمجھتا ہے اور اس کو سچی محبت کہتا ہے اور اسی کے لیے زندگی بھر روتا ہے۔"

ڈپٹی کمشنر صاحب جب بیوی کی محبت کی حقیقت جان لینے کے بعد اپنے بچوں کی محبت کا ذکر کرتے ہیں تو اس پر ہیروئن امتل کا جواب بھی قابل غور ہے: "مس۔۔۔ میرے پیارے پیارے بچے ہیں۔ میں ان سے والہانہ پیار کرتا ہوں۔ انہیں دیکھ کر میرے دل کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ ان کی ننھی ننھی ضدیں، ان کی توتلی توتلی باتیں ایسی لگتی ہیں، جیسے ساز بج رہا ہوں۔ جیسے فرشتوں سے ہمکلام رہتا ہوں۔۔۔ ہاں، آپ ان کے لیے چند سال جی سکتے ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ چڑیا اور چڑا بھی بال وپر اگنے تک اپنے بچوں کو غذا مہیا کرتے ہیں۔۔۔ جب تک آپ ان کے کفیل ہیں، ان کو آپ سے اور آپ کو ان سے والہانہ پیار ہو گا، مگر وہ وقت ضرور آئے گا۔۔۔ جب وہ آپ سے یا آپ ان سے اقتصادی بنیاد پر الگ ہوں گے۔ دونوں کو ایک دوسرے سے شکایتیں پیدا ہوں گی۔ دیکھتے ہی دیکھتے جذباتی رشتے ختم ہو جائیں گے۔ بالکل اسی طرح، جیسے آپ اپنے ماں باپ کو اکیلا چھوڑ کر نیا گھر بسا چکے ہیں۔ آپ کے بچے آپ کو داغ مفارقت دے کر الگ ہو جائیں گے۔۔۔ یہ ہے آپ کا مقدر۔"

یہاں پہنچ کر محسوس ہوتا ہے کہ تعلق کے بارے میں رحیم گل صاحب کا زاویہ نگاہ بہت زیادہ منفی ہے۔ ٹھیک ہے کہ ہر تعلق میں چاہے وہ ماں کا اپنے بیٹے سے کیوں نہ ہو، کچھ غرض موجود ہوتی ہے کہ ماں گھر میں، باپ کے مقابلے میں جوان بیٹے کا سہارا ڈھونڈتی ہے وغیرہ۔ لیکن انسانی تعلقات کو دیکھنے کی بہت سی مثبت بنیادیں بھی موجود ہیں، بس ذرا گھر کی دوسری کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھنا پڑے گا۔ تو رحیم گل صاحب نے انسانی تعلقات کو دیکھنے کی ایک ہی کھڑکی رکھی ہوئی ہے اور اسی کو پورے ناول میں استعمال کرتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ وہ کھڑکی بھی انسانی تعلقات کو دیکھنے کی ایک جہت ہے اور ایک حقیقت بھی ہے لیکن کل حقیقت (total-reality) نہیں ہے۔ تو انسانی تعلق میں غرض ہوتی ہے لیکن ایثار بھی ہوتا ہے اور یہ بھی انسانی تعلق کو دیکھنے کی ایک کھڑکی ہے۔ اور ایک ہی تعلق میں غرض اور ایثار جمع ہو جاتے

ہیں۔ جب آپ صرف غرض کو ہی دیکھیں گے اور ایثار کو نظر انداز کریں گے تو تجزیہ متوازن نہیں رہے گا۔ تو میاں بیوی کے تعلق میں غرض ہے لیکن ایثار بھی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر غرض ہے تو کیا ہوا، اسے ایک حقیقت کے طور قبول کر لیں، بس ایثار کو غالب رکھیں تو غرض کے ہونے میں حرج نہیں ہے۔

9- محبت کی جنت کی تلاش (Search for the Paradise of Love)

انسانی تعلق کی وسعتوں، گہرائیوں اور مسائل کے حوالے سے رحیم گل کے ناول جنت کی تلاش کے کچھ مزید اقتباسات پیش کر رہا ہوں، اس کے بعد ان اقتباسات کا ایک تجزیہ پیش کروں گا۔ ناول میں ایک جگہ ایک ایسے اٹالین سیاح کا کردار سامنے آتا ہے جو محنت کر کے مزدور سے کروڑ پتی بنا لیکن اس سارے سفر میں چیزوں سے اس کے تعلق کی کہانی کیا تھی؟ وہ رحیم گل صاحب کے الفاظ میں یہ ہے: "میں نے جب پہلی بار کار خریدی تھی، تو خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس کے بعد دوسری اور تیسری، پھر ہر سال نئے ماڈل کی کار خریدتا تھا۔۔۔ لیکن سچ جانئے کہ سب سے پہلے سیکنڈ ہینڈ کار کی خرید پر جو خوشی نصیب ہوئی تھی، وہ ان بہترین کاروں کے نئے ماڈلوں میں نہیں تھی ۔۔۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میری بیوی اٹلی کی دس خوبصورت ترین عورتوں میں سے ایک تھی۔ وہ میری دولت پر مر مٹی تھی اور میں سمجھتا رہا کہ میری شخصیت پر مر مٹی ہے ۔۔۔ سال چھ مہینے سرشاری میں گزرے اور یہی بہترین زمانہ تھا ۔۔۔ میں اپنی حسین بیوی کی محبت میں مست تھا اور سمجھتا تھا کہ میری بیوی کی بھی یہی کیفیت ہے ۔۔۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں اپنی پرائیویٹ سیکرٹری سے محبت کرنے لگا ہوں ۔۔۔"

اٹالین سیاح مزید یہ کہتا ہے: "یہ لڑکی میری بیوی کی طرح حسین نہیں تھی، لیکن اس کی شخصیت میں ایک عجیب و غریب قسم کی طرحداری اور پر اسرار قسم کا بانکپن تھا جسے انسان الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا، مگر دل ہی دل میں اسیر ہو جاتا ہے ۔۔۔ مجھے اس کا شدید احساس تھا کہ میں اپنے بچے کی ماں سے بے وفائی کر رہا ہوں، لیکن یہ احساس میری نئی محبت کے سامنے ہمیشہ

بے بس و مجبور رہا۔۔۔ بہت جلد مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ میری بیوی کا دل بھی مجھ سے بھر گیا ہے اور وہ ایک بنک کے مینیجر سے محبت کا دم بھرتی ہے، جس کا ڈائریکٹر میں ہوں۔ اس اطلاع سے جہاں اپنی بے وفائی کے جرم کا احساس جاتا رہا، وہاں بیوی کی بے وفائی پر صدمہ بھی ہوا۔ اور جب میں نے اس سے علیحدگی کی بات کی، تو وہ خوشی سے تیار ہو گئی، جو غالبا میرے پاس نہیں تھی۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اس کے تمام تر حسن کے باوجود، اس کے بوسے میں وہ تازگی، وہ کیفیت باقی نہ رہی تھی جو میری سیکرٹری کے بوسے میں تھی، مگر افسوس ہے کہ بات یہیں ختم نہیں ہوئی۔۔۔ اور میں ہر سال ایک نئی محبت میں گرفتار ہو جاتا تھا۔ ہر بار، اس یقین کے ساتھ کہ یہ آخری ہے۔ کیونکہ آغاز میں، میں ہر ایک کے ساتھ واقعی مخلص ہوتا تھا اور یقین کر لیتا تھا کہ ہاں، یہ حتمی ہے۔ لیکن خدا جانے یہ سچائی میری مٹھی سے کس طرح سرک جاتی تھی۔ مجھے علم ہی نہ ہوتا اور نیا سفر شروع ہو جاتا۔"

یہاں چیزوں اور انسانوں سے تعلق میں اصل خرابی وہی مادی بنیادیں ہیں۔ اگر آپ کا انسانوں سے تعلق اچھا ہو یعنی انسانوں والا ہو تو چیزوں سے بھی ایک عجب تعلق محسوس ہوتا ہے کیونکہ آپ کے تعلق کی روحانی حس بیدار ہو چکی ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ اس دنیا میں ایسے ہیں کہ جنہیں اپنے پرانے سے نئے گھر میں جانے کو دل نہیں کرتا کہ انہیں اس پرانے گھر سے مانوسیت ہوتی ہے۔ پانچ سال سے مہران گاڑی تھی لیکن اسے بیچتے ہوئے عجب تکلیف محسوس ہوئی۔ ایک بزرگ صوفی اپنا لوٹا نہیں بدلتے تھے اور جب کوئی لوٹا بدلنے کو کہتا تو یہ کہتے کہ اب تو یہ میرا راز دان ہے، اپنا راز دان بدل کر کیا کروں گا۔ بہت سے لوگ اپنے ملازم نہیں بدلتے کہ ان سے ایک مانوسیت ہو جاتی ہے اور وہ گھر کا ایک فرد بن جاتے ہیں۔ تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کو دیکھنے کا ایک یہ بھی اینگل ہے کہ پرانی چیز سے تعلق توڑنے کو دل نہیں کرتا اور نئی چیز میں لگانے کو۔

ناول میں ہی ایک مقام پر ایک انگریز سیاح اپنے بچے سے تعلق کے بارے کہتا ہے: "میرا بیٹا اس وقت آٹھ سال کا ہے۔۔۔ وہ بہت ذہین بچہ ہے۔۔۔ اس نے دولت کی ریل پیل میں آنکھ

کھولی۔ اس لئے وہ نہیں جانتا تھا کہ غربت کیا چیز ہے۔ ایک بار اس نے ایک غریب آدمی کو دیکھا، جو ایک مشکل اور سخت کام میں جتا ہوا تھا۔۔۔ تو کہنے لگا: ابا، یہ شخص سخت تکلیف میں مبتلا ہے۔ اسے یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے اسے سمجھایا کہ یہ غریب آدمی ہے، اسے اپنا پیٹ بھرنے کے لیے کوئی نہ کوئی کام کرنا ہی پڑے گا۔ میرے بیٹے نے حیرت سے پوچھا کہ ابا غریب کیا ہوتا ہے؟ اور کیوں ہوتا ہے؟ میں دیر تک اسے سمجھاتا رہا، مگر اس کے پلے کچھ نہ پڑا۔ الٹا پوچھنے لگا کہ ہم غریب کیوں نہیں ہیں؟۔۔۔ بات آئی گئی ہو گئی لیکن کچھ عرصہ بعد لڑکے نے پھر مجھ سے کہا: ابا، آپ پھر کب غریب ہوں گے؟ میں نے پوچھا: کیوں بیٹا؟ آپ مجھے غریب کیوں بنانا چاہتے ہیں؟ تو وہ بولا تاکہ ہم کام کریں۔ میں بھی آپ کے ساتھ کام کروں گا۔ بہت مزہ آئے گا۔۔۔ میں نے سوچا انسان اپنے خون میں سے خواہشات کا جزو الگ نہیں کر سکتا۔ یہ معصوم بچہ بھی ایک خواہش رکھتا ہے۔ یہ ایک کروڑ پتی باپ کا بیٹا ہے۔ اس کی تقریباً ہر خواہش پوری ہوتی رہی ہے، لیکن ایک خواہش اس کے دل میں بھی ہے، غربت کی! کیونکہ وہ غریب نہیں ہے اور وہ غریب ہونا چاہتا ہے۔"

نفس انسانی کا یہ پہلو بھی بہت عجب ہے کہ جب اس کی ہر خواہش پوری ہو جاتی ہے تو اب اسے اس پر تکلیف ہونا شروع ہو جاتی ہے کہ اس کی ہر خواہش کیوں پوری ہو گئی۔ وہ دیہات سے شہر کی رنگینیوں کا رخ کرتا ہے اور پھر ان سے اکتا کر عین شہر کے بیچوں بیچ ویلیج ہوٹل بناتا ہے تاکہ شہر میں دیہات کا ماحول انجوائے کر سکے۔ انسان کسی حال میں خوش نہیں ہے۔ میری بیوی بھی مجھ سے کبھی کبھار کہتی ہے کہ کبھی تمہاری خواہش تھی کہ میں تم سے نہ لڑا کروں تو میں نے لڑائی بند کر دی ہے۔ اب تم کہتے ہوں کہ تمہاری لڑائی محبت کا ایک اظہار تھا۔ تو نہ تم اس حال میں خوش نہ اس حال میں۔ تو آپ خوش رہ سکتے ہیں، اگر آپ اپنی پوزیشن بدل لیں۔ یعنی جو پوزیشن آپ نے بعد میں لینی ہے، حالات بدل جانے کے بعد، وہ ابھی لے لیں۔ خوشی کے لیے حالات کا بدلنا ضروری نہیں ہوتا، پوزیشن بدل جانے سے بھی منظر بدل جاتا ہے۔ تو اپنی

پوزیشن بدل لیں، آپ کے سامنے جو حالات ہیں، ان کا سارا منظر بدل جائے گا۔ اس پر میں آگے چل کر گفتگو کرتا ہوں۔

اپنی اولاد سے تعلق کے بارے انگریز سیاح مزید کہتا ہے کہ وہ اپنی ساری دولت اپنی زندگی میں ہی وقف کرنا چاہتا ہے اور اپنے بیٹے کے لیے کچھ نہیں چھوڑنا چاہتا اور اس کی وجہ اس کا اپنے بیٹے سے تعلق ہے، وہ کہتا ہے: "مجھے واقعی اپنے بیٹے سے پیار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب اسے ہوش آئے، تو اس کے چاروں طرف تمناؤں اور خواہشوں کے ہجوم ہوں۔ ہر خواہش اسے تڑپائے اور ہر خواہش کو پورا کرنے کے لیے وہ سر دھڑ کی بازی لگائے۔ اس طرح وہ مصروف رہ سکتا ہے اور خوش بھی، اسے زندگی کی تلخیوں پر سوچنے کا موقع ہی کب ملے گا۔ میں اس کے لیے دولت چھوڑ کر اس کے ساتھ دشمنی نہیں کر سکتا کہ اس کی ہر خواہش پوری ہو جائے۔ ہر حسرت نکل جائے اور ایک دن سوچنے لگ جائے کہ اب آگے کیا کرنا ہے؟" ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "میرا تجربہ یہی ہے۔ جستجو کی گرم جوشی میں بلا کی ترنگ ہوتی ہے، لیکن پا لینے کے بعد روح خالی ہو جاتی ہے اور انسانی ڈھانچہ محض جینے کا بہانہ تلاش کرتا ہے۔"

میں تو اس کا بالکل بھی قائل نہیں ہوں کہ اولاد کے لیے بہت کچھ چھوڑ کر جانا چاہیے۔ رحیم گل صاحب کا یہ تجزیہ بالکل درست ہے کہ یہ اولاد کو نکما بنانے والی بات ہے۔ آپ نے محنت کی ہے، آپ نے کمایا ہے، بس اپنے پر لگائیں، اللہ کے رستے میں خرچ کریں، اب کچھ بچ گیا ہے تو ضرور اولاد کے لیے بچائیں لیکن اپنی حسرتیں پال کر نہیں کہ جب اولاد اسے اجاڑے گی تو یہ پھر بہت تکلیف کا باعث بنے گا۔ پھر یہ بات بھی درست ہے کہ جب تک انسان جستجو میں رہتا ہے، اس کی خواہشات نامکمل رہتی ہیں، وہ خوش رہتا ہے۔ اور جیسے ہی اس کی خواہشات پوری ہو جائیں تو وہ زندہ رہنے کا جواز کھو بیٹھتا ہے اور موت کی خواہش کرنے لگتا ہے۔ تو غریب، امیر سے زیادہ خوش رہتا ہے، یہ بات درست ہے۔ کسی ادارے میں گریڈ فور کے ملازمین کو دیکھیں کیسے قہقہے لگا کر ہنس رہے ہوتے ہیں لیکن دوسری طرف انیسویں سے بائیسویں گریڈ

کے آفیسرز کے چہروں پر آپ کو مایوسی، تناؤ اور کھچاؤ نظر آئے گا کہ جیسے زندگی میں انہیں کبھی ہنسنا نصیب ہی نہ ہوا ہو۔

باپ سے تعلق کے بارے انگریز سیاح یہ کہتا ہے: "اگر زہر دے کر یا چاقو مار کر یا گولی مارنے سے ہی آدمی قاتل کہلا سکتا ہے، تو میں قاتل نہیں ہوں، لیکن اگر کوئی میرے انتظار میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے اور میں اس کی خبر نہ لوں، تو آپ مجھے کیا کہیں گے؟ اگر کوئی پیار کے دو بول سننے کے لیے تڑپ رہا ہو اور میں اس کی طرف جھانکنا بھی گوارا نہ کروں تو آپ مجھے کیا کہیں گے؟۔۔۔ اور اگر بالفرض ایسا شخص باپ ہو، تو کیا اس کا بیٹا قاتل نہیں گردانا جائے گا ۔۔۔ دوستو، میں قاتل ہوں۔۔۔ وہ شخص جس نے مجھے جنم دیا، جس نے مجھ سے بے حد پیار کیا، جس نے مجھے پالا پوسا اور تعلیم دلوائی، وہ شخص جب مرا، تو ہم تین بہن بھائیوں میں سے کوئی بھی اس کے پاس نہ تھا۔" یہ والدین کے ساتھ تعلق کا المیہ ہے کہ جو والدین اپنی اولاد کا اتنا کرتے ہیں، تو جواب میں انہیں کیا ملتا ہے۔ یہ اس تعلق کی آزمائش ہے۔ وہ جو اپنے والدین کا نہیں کر رہا لیکن اپنی بیوی اور اولاد کا خوشی سے کر رہا ہوتا ہے بلکہ ضرورت سے زیادہ کر رہا ہوتا ہے لیکن اسے شاید یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ دراصل مکافات عمل کی طرف بڑھ رہا ہے، وہ اپنے کیے کی سزا کے لیے اپنی آزمائش کا گڑھا خود کھود رہا ہوتا ہے کہ اس کی اولاد نے بھی اس کے ساتھ وہی کرنا ہے جو اس نے اپنے والدین کے ساتھ کیا۔

ناول میں ایک مقام پر ایک آئی اسپیشلسٹ ڈاکٹر جو خدمت خلق کا کام کرتا ہے اور لوگوں کی آنکھوں کا مفت علاج کرتا ہے، ایک کامیاب تخلیق کار (artist) کے احساسات اور جذبات کی مردگی کا رونا ان الفاظ میں روتا ہے: " پکاسو کے تصویری احساسات کو میں کس طرح عزت دے سکتا ہوں۔ جس شخص کی موٹر دردزہ میں مبتلا بیوی کو ہسپتال پہنچانے کی بجائے ایک موسیقار دوست کو خوش آمدید کہنے کے لیے بھیج دی جائے، اس کی تصاویر میں جذبے کی سچائی کس طرح آ سکتی ہے۔ کروڑوں روپے کمانے والے پکاسو نے انسان کے لیے کیا کیا؟ " ایک تخلیق کار کے جذبات کے المیے کے بارے مزید لکھتے ہیں: " جہاں تک اظہار ذات کا تعلق ہے،

ہر فنکار کا بڑا مسئلہ اظہار ذات کا مسئلہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی انا کے اظہار میں انتہا پسند ہوتا ہے۔ اگر وہ سماج سے نہ ڈرتا، تو بلا دریغ خدائی کا دعوی کر بیٹھتا۔۔۔ شکر ہے ہمارا عقیدہ ایک خدا پر ہے۔ ورنہ خداؤں کی اتنی بڑی فوج سے کس طرح نمٹتے۔ حرف آخر کہلوانے کے ذوق نے دنیا کو کسی قدر تہہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے۔" تو تخلیق کار یعنی شاعر، مصور اور موسیقار کہ جن کا موضوع ہی انسانی جذبات ہیں، وہ بھی انسانی تعلقات میں کس قدر محرومی کا شکار ہیں، یہ المیے سے کم نہیں ہے۔

اور ناول کی ہیروئن اپنے ہیرو سے جس قسم کی پاکیزہ محبت کا تعلق چاہتی ہے، اس تعلق کے المیہ کے بارے لکھتے ہیں: "میں آپ کی خالی خولی دوستی پر اکتفا کر سکتا ہوں۔ میں نے اکثر اپنے دل میں یہی سوچا ہے کہ اور کچھ نہ ہو، آپ کی رفاقت بھی میرے لیے انمول ہے، لیکن کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ شاید یہ کافی نہیں ہے۔ میں ہزار کوشش کروں اور آپ کا ہم خیال بنا رہوں اور اپنی فطرت پر جبر کرتا رہوں، لیکن میں کس طرح خود کو یقین دلا سکتا ہوں کہ یہ خوبصورت بدن ایک لڑکی کا بدن نہیں ہے۔ یہ خوبصورت ہونٹ صرف دیکھنے کے لیے نہیں بنے۔۔۔" تو لڑکے اور لڑکی محبت میں یہ ایک اور آزمائش ہے کہ لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ مجھے بت کی طرح پوجا جائے اور لڑکا اسے ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرنا چاہتا ہے۔ نکاح کے بعد میاں بیوی کے تعلق میں بھی یہ آزمائش باقی رہتی ہے کہ بیوی کی خواہش ہوتی ہے کہ شوہر اسے قدرت کا ایک شاہکار سمجھ کر چھوئے اور شوہر پر جنسی عمل میں فاتح بننے کی جبلت غالب ہوتی ہے جو بعض اوقات تو وحشی پن میں بدل جاتی ہے اور یہاں سے عورت کی اذیت شروع ہو جاتی ہے۔ کچھ دن پہلے ایک کیس ایسا آیا کہ عورت اپنے شوہر سے شادی کے پندرہ دن بعد طلاق لینا چاہتی تھی کہ اس کا شوہر جنسی عمل کے دوران اس کے جسم پر دانتوں سے کاٹتا ہے اور اس کے منہ میں اپنی تھوک پھینکتا ہے۔ خیر اس وحشی پن کے پیدا ہونے میں انسان کی جبلت کا جو کردار ہو سو ہو کہ اس وقت میں دو قوی ترین جبلتیں ایکٹو ہوتی ہیں، جنس اور تفوق کی جبلتیں لیکن اس میں زیادہ کردار فحش ویڈیوز کی انڈسٹری کا ہے یا پھر حرام کھانے کا ہے۔

انسان کی اگر تہذیب نفس ہو چکی ہو تو اس عمل میں بھی ایک نرمی (softness) آ جاتی ہے اور انسان جانوروں کی طرح اپنی خواہش پوری نہیں کرتا بلکہ انسانوں کی طرح کرتا ہے۔

ناول میں ایک اور مقام پر ہیرو کے ہیروئن سے تعلق کے کرب کو بیان کرتے ہوئے رحیم گل صاحب لکھتے ہیں: "اس لمحے میرے اندر اس حسین گردن کو چومنے کی زبردست خواہش پیدا ہوئی۔۔۔ وہ لڑکی مجھ سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی، لیکن ہمارے درمیان دس ہزار سال کی تہذیب کی دیوار حائل تھی۔ میں اندر ہی اندر اتنے زور سے چیخا کہ میری روح میں دراڑیں پڑ گئیں۔ کے ٹو اور راکاپوشی کی چوٹیوں نے میری چیخ سن لی ہو گی، لیکن مجھ سے دو قدم پر کھڑی لڑکی کو میری روح کی ٹوٹ پھوٹ کی خبر نہ ہوئی۔ تو یہ تھا میرا دکھ، جسے میں نے آج پا لیا تھا ۔۔۔ میں اکیلا تھا، بالکل تنہا! مجھے ساتھی کی ضرورت تھی۔ اور میں ایک بوسے کے لیے ریزہ ریزہ ہو رہا تھا۔ لیکن میرا ساتھی بے خبر تھا۔۔۔ میں ایک چٹان سے ٹیک لگا کر زار و قطار رو پڑا، کسی کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیسا رن پڑا اور کتنا کشت و خون ہوا۔ عالمگیر جنگیں ایک طرف اور انسان کے نفس کی جنگ دوسری طرف۔ ملک ہار جائے تو کچھ نہیں ہارتا۔ آدمی مر جائے، کچھ نہیں مرتا۔ انسان کی امنگ مار دی جائے تو سب کچھ مر جاتا ہے۔" یہ المیہ صرف یک طرفہ محبت کا نہیں ہے بلکہ آزمائش میاں بیوی کے تعلق میں بھی موجود ہے کہ جہاں جنسی خواہش عموما یک طرفہ ہوتی ہے کہ عورت کی اصل ضرورت رومانس ہے۔ تو ناراضگی کے حالات میں یا عورت کے حیض (periods)، نفاس، حمل (pregnancy) یا حالات کی وجہ سے جذباتی اتار چڑھاؤ (mode-swings) میں اس عمل سے عدم رغبت کی وجہ سے شوہر کو ایسی ہی کیفیات سے گزرنا پڑتا ہے کہ جن کا تذکرہ اوپر ہوا ہے۔

ہیرو جب ہیروئن کی مرضی کے بغیر اس کے سوتے میں اس کا بوسہ لینے کی کوشش کرتا ہے تو مرضی کے بغیر کے اس تعلق کے المیے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ ۔۔۔ امتل کے حسین وجود کو چھوئے بغیر باب جنت میں داخل ہو جاؤں کیونکہ زندگی کے ان گنت مقاصد کے ساتھ شاید ایک مقصد یہ بھی تھا کہ گندم کا ذائقہ چکھا جائے اور خود

کو سزاوار حیات ٹھہرایا جائے۔۔۔ یہی وہ لمحہ تھا کہ میں تیزی سے اٹھا اور سب کچھ بھول کر اس کے خوبصورت ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ لیکن اگلا لمحہ قیامت کا لمحہ تھا۔ امتل اٹھ چکی تھی اور اس نے ایک زور دار طمانچہ میرے منہ پر رسید کر دیا تھا۔ دوسرا اور پھر تیسرا۔ میں بت بنا کھڑا رہا۔۔۔ کھیل ختم ہو چکا تھا۔ زندگی کی ساری نفسیات دھری کی دھری رہ گئیں۔۔۔ اب ندامت تھی اور ذلت تھی اور معافی مانگنے کی ہمت ختم ہو چکی تھی۔ معافی بھی کیسی، آنکھ سے گرا ہوا آنسو واپس آنکھ میں کیونکر کر آ سکتا ہے؟۔۔۔ مجھے بار بار خیال آ رہا تھا کہ کیا اس لمحے کے لیے میں نے زندگی کا سفر شروع کیا تھا؟ کیا میرے جنم کا مقصد اس لمحے سے عبارت تھا؟ اور کیا یہی تھا میرا مقدر کہ پلک جھپکتے میں ذلیل و خوار ہو جاؤں۔۔۔ وہ کونسی طاقت تھی، جس نے مجھ جیسے مہذب و متمدن آدمی کو آنکھ جھپکتے میں اس کے ہونٹوں تک پہنچا دیا۔۔۔ کیسی ضرورت ہے کہ دیکھتے دیکھتے انسان کو انسانوں کی بستی سے نکال کر جنگل میں چھوڑ دیتی ہے؟ ۔۔۔ میں دیر تک اس ٹھنڈی چٹان کو سینے سے لگائے لیٹا رہا اور دھیرے دھیرے روتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ رونا جو نمائش کے لیے نہیں ہوتا، کتنا طاقتور ہوتا ہے اور اس سے اندر کی کیسی کیسی جذباتی محرومیوں کی تشفی ہو جاتی ہے۔"

اس ناول کے اختتامی الفاظ کچھ اس طرح سے ہیں کہ ہیروئن جو کہ زندگی کا مقصد تلاش کر رہی ہے اور زندگی کو ہر نیگیٹو پہلو سے دیکھنے کے بعد اس کے کسی مثبت پہلو کی تلاش میں ہے تا کہ اسے زندہ رہنے کا کوئی جواز مل سکے کیونکہ اس کا ریپ تک ہو چکا ہے۔ تو اسے زندہ رہنے اور انسانوں سے تعلق رکھنے کا یہ جواز میسر آیا کہ وہ ایک بچے کی پیدائش اور ماں کی اس کے لیے ممتا کے ایک منظر کو دیکھ کر بالآخر ناول کے ہیرو یعنی اپنے دوست سے کہتی ہے: "وسیم صاحب، آج میں نے زندگی کو پا لیا ہے۔۔۔ میں جان گئی ہوں کہ میں آپ سے محبت کر سکتی ہوں۔۔۔ آیئے واپس چلیں، غار کی طرف نہیں، ہجوم کی طرف۔ میں ایک انسان کو جنم دینا چاہتی ہوں۔ شاید وہ عرفان جو مجھے نہیں ملا، وہی لے کر آ رہا ہو۔" اگر حقیقی کہانی کی بات کریں تو یہاں کہانی ختم نہیں ہوتی بلکہ یہاں سے اصل کہانی شروع ہوتی ہے۔ اگر مجھے کہانی لکھنی آتی ہوتی تو اس

ناول کا دوسرا حصہ ضرور لکھتا جو ازدواجی زندگی کے تعلق کے مسائل سے متعلق ہوتا۔ ویسے میں نے ازدواجی زندگی کے مسائل پر بھی "ازدواجی زندگی: مسائل اور حل" (Marital Life: Problems and Solutions) کے عنوان سے ایک کتاب لکھ کر شائع کی ہے اور اسے ابھی اپ ڈیٹ بھی کر رہا ہوں۔ تو ازدواجی زندگی منزل نہیں ہے، بلکہ اس کی طرف سفر کا آغاز ہے۔ اور مقصد بھی نہیں ہے بلکہ اس کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ تو ناول ختم نہیں ہوا بلکہ شروع ہوا ہے۔ ناول کے خاتمے میں یہ بات اچھی ہے کہ محبت کا انجام شادی شدہ زندگی گزارنے کے فیصلے پر ہوا اور یہی ہماری بھی رائے ہے۔ تو محبت ہو گئی ہے، اب ہو گئی ہے تو کیا کریں، شادی کر لیں بلکہ میں تو اکثر نوجوانوں کی کاؤنسلنگ کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ کسی لڑکی سے ہی محبت ہوئی ہے ناں، گدھی سے تو نہیں، اور لڑکی پر دل نہیں آئے گا تو کیا گدھی پر آئے گا۔ تو محبت ہو جانا آپ کے اختیار میں نہیں ہے البتہ اس تعلق کو آگے چلانا یہ آپ کے اختیار میں ہے اور اس کے لیے آپ جوابدہ بھی ہیں۔ تو اگر اپنے محبوب سے شادی نہیں ہو سکتی تو پھر اس تعلق سے نکل جائیں۔ تو تعلق کا مقصد ازدواجی زندگی ہونا چاہیے کہ وہی اس تعلق کی معراج ہے اور اسی سے محبت کا تعلق میچور ہو جاتا ہے تو اپنی محبت کو میچور کریں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے ورنہ یہ تعلق دنیا اور آخرت کی اذیت ہے۔

-10 تعلق، زندگی ہے (Relationship is Life)

تعلق، زندگی ہے۔ جب تعلق مر جائے تو انسان مر جاتا ہے۔ تعلق کے بغیر انسان کیا ہے، ایک روبوٹ ہی تو ہے۔ تو تعلق سے نکلنا زندگی سے نکلنا ہے۔ تعلق سے نکلنا انسان کو اس کی فطرت سے نکال دینا ہے۔ میرا کوئی اسٹوڈنٹ آ کر جب مجھے یہ جملہ کہتا ہے، سر پریشان ہو، زندگی سے دل اچاٹ ہو گیا ہے، مرنے کو دل کرتا ہے، تو میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آتا ہے کہ اس کا کوئی تعلق ٹوٹا ہے اور اکثر ایسا ہی ہوا ہوتا ہے۔ تعلق ٹوٹ جائے تو آپ کی زندگی میں وہ خلا پیدا کر جاتا ہے کہ جسے آپ آخری سانس تک پُر نہیں کر پاتے۔ تو ایک فطری اور سچے تعلق کی موت کبھی نہ ہونے دیں کہ اس کی حیات میں آپ کی حیات ہے۔ تعلق سے نکل کر بھی آپ

کہاں جائیں گے، کہیں پناہ نہ ملے گی، تو کسی تعلق میں ہی جا گریں گے۔ تو لا تعلّقی مسئلے کا حل نہیں البتہ اگر کسی تعلق میں خدا سینٹرل ریفرنس نہ رہ جائے تو اس سے نکل جانا چاہیے لیکن حکمت و فراست کے تحت۔ اور یہ لا تعلّقی نہیں بلکہ ایک ایسے تعلق سے جو محض اذیت ہے، اس تعلق کی طرف سفر ہے کہ جس میں راحت ہے۔

میرے پاس جب بھی محبت کا کوئی کیس آتا ہے تو میری پہلی تجویز یہی ہوتی ہے کہ اس تعلق کو چلاؤ لیکن اس میں خدا کو سینٹرل ریفرنس بنالو یعنی شادی کر لو۔ اب اگر شادی ممکن نہیں ہے یا اس کا کوئی سین نہیں ہے تو بھئی پھر اس تعلق سے نکل جاؤ کہ شادی کے بغیر ادھوری قربت میں تڑپتے رہنے کا فائدہ کہ گناہ بھی کیا اور لذت بھی پوری نہیں، مذہب اور سماج کا ڈر علیحدہ سے غالب ہے جو اندر سے ضمیر کو کھائے جا رہا ہے۔ لیکن اس تعلق کے بعد ایک اور تعلق قائم کرو کہ جس میں سینٹرل ریفرنس خدا ہو یعنی کسی اور ایسے سے شادی کر لو کہ جو تمہارے محبوب کا کفو ہو یعنی اس کا ہم پلہ یا اس جیسی صفات رکھتا ہو، بالکل ویسا ہونا تو ممکن نہیں ہے۔ اور اس سے بھی مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ مسئلہ عموماً لَو انرجی ہی کا ہوتا ہے اور کسی متعین کی محبت تو ہوتی نہیں ہے۔ البتہ شادی کے بعد جب آپ کے اپنے پارٹنر سے ایشوز پیدا ہوں گے تو آپ کو پچھلا تعلق یاد آئے گا لیکن اپنے پارٹنر سے اذیت میں پچھلے تعلق کا یاد آنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لَو انرجی کا ہی مسئلہ ہے، متعین کی محبت نہیں ہے کیونکہ متعین کی محبت ہوتی تو آپ اس کی محبت سے لمحہ بھر بھی نہ نکل پاتے، شادی کے بعد بھی نہیں۔

اگر آپ کو متعین سے محبت ہو گی تو آپ قانون، مذہب اور سماج کی اجازت کے باوجود اپنا جسم اپنے پارٹنر کے حوالے نہ کر پائیں گے۔ میرے پاس ایک کیس ایسا بھی آیا کہ جوان لڑکا شادی کے بعد مہینوں اپنی بیوی کے قریب جانے سے بھی گھبراتا تھا کیونکہ اسے جس لڑکی سے محبت تھی، وہ عیسائی تھی اور اس سے شادی ممکن نہ تھی۔ اب جب وہ اس کی محبت سے نکل آئے گا تو پھر ہی اپنی بیوی کے پاس جا پائے گے، اس کے بغیر نہیں۔ اور متعین کی محبت بھی دائمی نہیں ہوتی، عارضی ہوتی ہے، یہ ایک حقیقت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت ایک جذبہ ہے اور

جذبے میں آنا جانا اور اتار چڑھاؤ نہ رہے تو وہ جذبہ ہی نہ رہے۔ البتہ متعین کی محبت، شعوری محبت میں ڈھل جائے تو دائمی ہو جاتی ہے اور شعوری محبت سے میری مراد عقلی محبت نہیں ہے۔ عقلی محبت بھی کوئی محبت ہوتی ہے! شعوری محبت سے میری مراد یہ ہے کہ محبت کے جذبے کو شعور کے کنٹرول میں دے دیں۔ محض محبت کا جذبہ ایک خودرَو پودے کی مانند ہے کہ خود ہی اُگتا ہے اور اپنے ثمرات میں جھاڑ جھنکاڑ، کانٹے پھل، جو دے جائے، آپ لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور شعوری محبت سے مراد، محبت کو ایک بیج کی طرح بو کر اس کے پودے کی حفاظت کرنا تاکہ وہ ایک تناور درخت بن جائے۔ تو محبت کی کونپل کو شعور کے چشمے کا پانی دیتے رہیں تو یہ راحت کا پھل دیتا رہے گا۔ محبت کا بیج بونے سے کیا مراد ہے، شادی کا تعلق۔ یعنی آپ نے محبت کا ایک تعلق بویا ہے، اسے خودرو پودے کی طرح اگنے نہیں دیا کہ کبھی یہاں متعلق ہو گیا، اور کبھی وہاں۔ اور شعور کے چشمے کے پانی سے مراد اس تعلق میں خدا کو سینٹرل ریفرنس بنائے رکھنا ہے۔

مثال کے طور اگر مجھے نہیں لگتا کہ مجھ میں کچھ ایٹریکشن ہے یا کوئی خوبی ہے لیکن میری بیوی کو مجھ سے تعلق ہے تو اس کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ اس نے خدا کو اس تعلق کا سینٹرل ریفرنس بنا لیا ہے کہ مجھے اب اسی سے تعلق رکھنا ہے یا مجھے اب اسی سے تعلق رکھنا چاہیے یا مجھے اپنے شوہر کا کرنا ہے یا مجھے اپنے شوہر کا کرنا چاہیے کہ یہی خدا سے میرے تعلق کا تقاضا ہے۔ تو خدا کے لیے یا خدا کے نام پر تو کسی تعلق کو چلانا ممکن ہے کہ اس کے ہم پر احسانات ہی اتنے ہیں کہ ہم اتار ہی نہیں سکتے لہٰذا اس کے تعلق میں کچھ کر جائیں تو کر جائیں، لیکن صرف اپنے نفس کی بنیاد پر کوئی تعلق چلانا تو یہ چار دن بھی نہیں چلے گا یا چل گیا تو کانٹوں کا بستر ثابت ہو گا۔ یہی حال شوہر کا بھی ہے کہ خدا کے لیے تو بیوی کا کر جائے کہ خدا کی چاہت ہے کہ بیویوں سے درگزر کرو، خدا کی چاہت ہے کہ بیوی سے حسن سلوک کرو لیکن صرف بیوی کے لیے بیوی کا کرنا تو یہ ناممکن ہو جائے گا یعنی محض مادی بنیادوں پر آپ جو بھی تعلق استوار کریں گے، اس کا نتیجہ زوال ہی زوال ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے سورۃ البقرۃ میں جہاں

ازدواجی زندگی کے تعلقات کو بیان کیا ہے تو وہاں "واتقوا اللہ" کے الفاظ بار بار آئے ہیں کہ دیکھو، اس تعلق کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ سے ڈرتے رہو، اس کو توڑتے ہوئے بھی اللہ سے ڈرتے رہو کہ توڑنے کی اجازت ہے، زیادتی کی نہیں۔ یعنی طلاق اور خلع میں بھی زیادتی تو جائز نہیں ہے ناں۔ زیادتی کا مطلب ہے کہ خدا سینٹرل ریفرنس نہیں رہ گیا ہے۔ اور خدا سنٹرل ریفرنس نہ تو لمبی داڑھی سے بنتا ہے اور نہ ہی موٹے نقاب سے، خدا سینٹرل ریفرنس بنتا ہے دل میں خوف خدا کے جاگزین ہو جانے سے کہ دل ہی دل میں اور تنہائی میں دوسرے کے تعلق میں کوتاہی کے حوالے سے اللہ سے ڈرتا رہے۔

اور اہم بات یہ ہے کہ خدا نے مرد کو بڑا بنایا ہے لہٰذا تعلق میں بھی بڑا پن اسی نے ہی دکھانا ہے۔ مرد کا عورتوں کی طرح بات بات پر روٹھ جانا اور نخرے کرنا بالکل درست نہیں ہے کہ مرد کا ہاتھ دینے والا ہاتھ ہے، اگر وہ لینے پر آ گیا تو تعلق کیسے چل پائے گا! تو تعلق کے نظام میں ایک ہاتھ ہمیشہ دینے والا ہوتا ہے جیسا کہ والدین کا ہاتھ تو اسی طرح شوہر کا ہاتھ بھی دینے والا ہو تو تعلق چلتا ہے ورنہ ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ یک طرفہ ٹریفک ہے، اولاد کو بھی والدین کو ریسپانس کرنا ہے، بھلے والدین کو ویسا تعلق نہ لوٹا پائیں جیسا کہ والدین ان کو دیتے ہیں لیکن کچھ نہ کچھ تو دینا ہے ناں کہ یہ سماجی، اخلاقی اور دینی تقاضا ہے۔ اور یہی مطالبہ بیوی سے بھی ہے اور عورتوں کو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ انہیں اپنے شوہر کو تعلق دینا بھی ہے۔ میاں بیوی کے تعلق میں اصلاً شوہر کو تعلق دینے والا ہونا چاہیے، اس کا بالکل یہ مطلب نہیں ہے کہ اب بیوی کا کام لینا ہی لینا ہے۔ وہ جتنا واپس کر سکتی ہے، اتنا تو کرے۔ دیکھیں، شوہر بھی انسان ہے، اسے بھی تعلق چاہیے، یہ کیا کہ شادی کے دس سال میں اسے بیوی کی طرف سے ایک بوسہ بھی وصول نہیں ہوتا، اور اس بیوی کی طرف سے جسے وہ ہر دوسرے دن بوسہ دے رہا ہو۔ اور یہی بیوی اس کے سامنے اپنے بچوں کو دن میں دس مرتبہ پیار کر رہی ہوتی ہے۔

ایک صاحب نے خواب بیان کیا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کی بیوی کے تین شوہر ہیں، ایک وہ خود ہیں اور دو اور ہیں۔ اور ان کی بیوی اپنے ایک دوسرے شوہر سے تعلقات کو اپنے حقیقی زندگی والے شوہر سے بیان کر رہی ہیں اور یہ حقیقی شوہر اسے انتہائی کرب کی کیفیت میں کہہ رہا ہے کہ میرے سامنے یہ تعلق بیان نہ کرو، شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔ میں نے خواب دیکھنے والے سے پوچھا کہ تمہاری بیوی تمہارے بیٹوں کو تمہارے سامنے پیار کرتی ہے اور تمہیں کبھی اس میں کچھ عجیب لگا ہو؟ تو اس نے کہا کہ ہاں، چھوٹے بیٹے کو ہونٹوں پر چومتی ہے اور میرے سامنے کئی بار ایسا ہوا تو مجھے عجیب لگا۔ تو میں نے کہا کہ اس کے بقیہ دو شوہر تمہارے دو بیٹے ہیں۔ اس نے ازدواجی زندگی میں کبھی تمہیں آگے بڑھ کر اس طرح پیار نہیں کیا، جیسے تمہاری خواہش تھی لیکن وہ پیار اس نے جب اپنے بیٹے کو دیا تو تم ایک کرب کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے لیکن تم نے وہ کرب اپنے لاشعور میں دھکیل دیا لیکن وہ لاشعور سے نکلا نہیں، خواب میں متشکل ہو گیا اور اب تمہاری شخصیت کی ری کنسٹرکشن کرے گا۔

تو عورت کا تو مسئلہ ہی جنس نہیں ہے بلکہ محبت ہے، توجہ ہے، رومانس ہے۔ اور وہ یہ سب اپنے شوہر سے بھی وصول کر لیتی ہے اور کچھ کمی رہ جائے تو اولاد سے وصول کر لیتی ہے۔ اور اولاد سے بھی اس دھڑلے سے وصول کر لیتی ہے کہ مرد چُسک بھی نہیں سکتا کہ کیا کہے کہ میرے حصے کا پیار میرے بیٹے کو دے رہی ہو! دنیا یہاں مرد کو ہی پاگل کہے گی لہٰذا وہ اس کرب کو اپنے اندر دبا جائے گا، ظاہر نہیں کرے گا تو مسئلہ تو مرد کا ہے۔ وہ تو بیٹی کو ساتھ لگا کر بٹھا لے تو ہمارے ہاں کے مذہبی حیوان شور مچا دیتے ہیں کہ یہ کیا گناہ ہو رہا ہے۔ ماں اگر بیٹے کی لپس کسنگ کر لے تو حرج نہیں لیکن باپ اگر بیٹی کے ساتھ گھر میں اکیلا ہو تو تیسرا شیطان ہو سکتا ہے! جس معاشرے میں مذہبی لوگوں کے تصورات ایسے ہوں، اس معاشرے میں مرد کو ایک جنسی حیوان سے زیادہ آپ کیا سمجھیں گے؟

پھر مرد نے خدا سے ڈرتے ہوئے اپنی جنسی ضرورت پورا کرنے کے لیے نکاح کا ایک تعلق قائم کیا تھا جیسا کہ عورت نے اپنی محبت کی ضرورت کے لیے۔ تو عورت کی ضرورت تو اولاد

سے پوری ہو گئی، مکمل نہ سہی کسی قدر ہی سہی، مرد کی جنسی ضرورت کہاں سے پوری ہو گی، اگر عورت پوری نہ کرے تو۔ دوسری شادی کو تو سماج نے طعنہ بنا دیا، قانون نے بین کر دیا، اب مرد کے پاس رستہ ہی کیا بچا ہے۔ ایک دوست نے کہا کہ بہت کرب میں ہوں، دعا کیجیے۔ میں نے کہا کہ خیریت ہے۔ کہنے لگا کہ میری بیوی کا خیال ہے کہ میری جنسی ضرورت زیادہ ہے، اور وہ پورا کرنے سے قاصر ہے۔ میں نے کہا کہ دوسری شادی کر لو۔ کہنے لگا کہ قانون اجازت نہیں دیتا، سماج اسپورٹ نہیں کرتا، فنانشیئل ایشوز بھی ہیں۔ اور اب بیوی دھتکار دیتی ہے، مزید اس کے سامنے ذلیل ہونے کو دل نہیں کرتا، استمناء (masturbation) کرنے کی کوشش کرتا ہوں، وہ ہوتا ہی نہیں ہے، اگر ہو بھی جائے تو یہ خود لذتی (self-pleasure) کیا خود اذیتی ہوتی ہے، لیکن اس بات کو کون سمجھے گا کہ یہ خود اذیتی ہے، بس اکیلے میں بیٹھ کر رو لیتا ہوں کہ سماج میں مرد کا رونا بھی اس کے لیے طعن ہے۔ عورت رو لے تو سماج کو اس سے ہمدردی محسوس ہوتی ہے، مرد کو روتا دیکھ لے تو اس پر غصہ آتا ہے۔ ٹھیک ہے عورت نازک آبگینہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ مرد پتھر ہے اور اب اس پتھر کو جتنے مرضی ٹھڈے مارو، اسے تکلیف نہیں ہوتی، اسے رونا نہیں آتا، اس کا کرب کوئی کرب نہیں ہوتا۔

ایک دوست نے کہا کہ میری بیوی ہر وہ نمبر بھی اٹھا لیتی ہے جو اس کے پاس سیو نہ ہو بلکہ اگر کال مِس ہو گئی تو کال بیک بھی کر لے گی، اس حد تک پروفیشنل ایٹی چیوڈ ہے لیکن میں بیس کالیں بھی کر لوں تو ناراض ہے تو پروا نہیں۔ چلیں ناراضگی میں تو سمجھ آ گئی کہ اب اس کا دل نہیں ہے بات کرنے کو تو میں کیا کر سکتا ہوں لیکن میں کبھی کبھی سوچتا ضرور ہوں کہ میں ایک انسان ہوں کہ میرے ساتھ کچھ حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے تو اگر خدانخواستہ حادثہ پیش آ جائے تو سب سے پہلے رابطہ تو میری بیوی سے ہی کیا جائے گا اور وہ فون ہی نہیں اٹھائے گی۔ میں نے کہا کہ اس کا نام آئی۔ سی۔ ای (ICE) میں سے نکال دو۔ کہنے لگا چلیں یہ تو ٹھیک ہے، میں کر لیتا ہوں لیکن اگر ناراضگی نہیں بھی ہے تو میری کال پر عموماً کال بیک نہیں کرتی بلکہ مجھے ہی

دوبارہ کال کرنی پڑتی ہے۔ اور مجھ سے تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ میں نے اسے روزانہ کال کروں اور اگر کسی دن نہ کر پاؤں یا بھول جاؤں تو جرمانہ ادا کروں۔ میں نے کہا کہ کوئی بات نہیں، تم اسے روزانہ کال کرتے رہو، اگر وہ تمہاری کال پر کال بیک نہیں کرتی، یا اسے اہمیت نہیں دیتی تو عورت کی نیچر ہی یہی ہے۔ مرد کی قسمت میں عورت کے پیچھے دوڑنا ہے اور اس کی قسمت میں آگے رہنا۔

اس نے کہا کہ یہ جو ہالی ووڈ کی فلموں میں دکھایا جاتا ہے کہ عورت، مرد کے پیچھے ہے۔ میں نے کہا کہ یہ آدھا سچ ہے۔ عورت اس وقت تک مرد کے پیچھے جاسکتی ہے، جب تک وہ اسے حاصل نہ ہو جائے۔ جیسے ہی وہ حاصل ہو گا، وہ آگے نکل جائے گی اور مرد اس کے پیچھے لگا رہ جائے گا۔ اصل میں عورت کا پیچھے لگنا بھی پیچھے لگانے کی امید اور غرض سے ہوتا ہے۔ تو عورت مرد سے نکلی ہے یعنی آدم کی پسلی سے حوا پیدا ہوئی ہیں لہٰذا مرد کا پیچھا کرنا فطری ہے اور اس میں عار محسوس نہ کرو۔ لیکن عورت کو جواب میں تمہیں تعلق دینا چاہیے، میں اس کا قائل ہوں کیونکہ یہ سماج ایک سے زائد شادیوں کو مرد کی بے وفائی اور عورت کے جذبات کے مجروح ہونے سے تعبیر کرتا ہے لہٰذا مرد کے تعلق کی ضرورت کے پورے ہونے کا جو فطری رستہ تھا، وہ بند ہو گیا ہے لہٰذا اب مرد کے بڑے رہنے کا کوئی معنی نہیں رہ گیا کہ میاں بیوی دونوں تعلق میں برابر لیول پر آ گئے ہیں۔ تو ہمارے معاشروں میں اب لین دین کا تعلق چل سکتا ہے، مرد کے بڑے ہونے اور عورت کے چھوٹے ہونے کا نہیں کہ مرد کا بڑا ہونا کچھ وجوہات سے تھا اور وہ ساری آپ نے بند کر دی ہیں تو وہ کیسے بڑا بنے۔ تو بیوی کی یہ زیادتی ہے، اگر مرد کی ایک سے زائد شادیاں ہوتیں تو اس کے ساتھ یہ نخرے اور ادائیں چل سکتی تھیں، ایک کے ساتھ نہیں۔ کیونکہ عورت اپنے تعلق کی ضرورت اپنی اولاد سے پوری کر لیتی ہیں لیکن شوہر نہیں کر سکتا۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ماں اپنے جوان بیٹے کو سینے سے لگاتی ہے لیکن بوڑھے شوہر کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتی۔

اسی طرح ہر دوسرے مرد کا شکوہ ہے کہ جب ہمیں اپنی عورت کے پاس اپنی ضرورت سے جانا پڑتا ہے تو ہمیں ذلیل کرتی ہے، جملے کستی ہے، کہ اب آ گئے ہو، اب یہ کرو گے تو فلاں تعلق دوں گی ورنہ نہیں۔ تو اس مسئلے میں میری رائے یہ ہے کہ مرد ذلت محسوس نہ کرے۔ جس کے سامنے آپ کے کپڑے اتر جائیں، اب اس کے سامنے آپ نے کیا عزت بنانی ہے، وہ تو آپ نے خود اتار دی ہے، اب وہ بن بھی نہیں سکتی۔ تو قربت کے ان لمحات میں عورتوں کی ہاں میں ہاں ملاتے رہیں اور ان کی وعدوں اور قسموں کو یمین لغو شمار کرتے رہیں یعنی ایسی قسم کہ جس کا نہ تو گناہ ہے اور نہ ہی کفارہ ہے۔ دوسرا یہ بھی اہم ہے کہ مرد کے بڑے بننے کا مطلب یہ ہے کہ اسے گھر کو چلانا ہے اور گھر وہی چلا سکتا ہے کہ جس کا حوصلہ بڑا ہو۔ اور حوصلہ بڑا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگلے کو برداشت کرنا ہے اور اگلے کی برداشت کرنی ہے۔ اور ہر لڑائی کے بعد اپنی انا کو مارنے اور آگے بڑھ کر صلح کرنے میں نفس کو ذلت تو محسوس ہو گی لیکن تعلق ایسے ہی ایثار اور قربانی سے چلتا ہے۔ اور یہ ذلت کا احساس بس تھوڑی دیر کے لیے ہوتا ہے، اس کے بعد بیوی خود سے عزت کرنا شروع کر دیتی ہے تو جاتا رہتا ہے۔

تو دو مقامات پر ذلت کے احساس کو غالب نہیں ہونے دینا؛ ایک اپنی ضرورت کے لیے بیوی کے پاس جاتے وقت اور دوسرا صلح کے لیے قدم آگے بڑھاتے وقت۔ ان دونوں میں سے کسی ایک مقام پر بھی ذلت کا احساس غالب آ گیا تو پھر یہ تعلق اذیت بن جائے گا۔ لیکن عورت ایسا کیوں کرتی ہے؟ یہ بھی ایک سوال ہے۔ اس کی وجہ اس کی نفسیات ہے۔ ایک تو عورت اسے مرد کی ذلت نہیں سمجھتی بلکہ وہ اسے اپنی عزت سمجھتی ہے یعنی اس نے اس کی تعبیر غلط کر رکھی ہے۔ وہ چونکہ جسمانی اور ذہنی طور کمزور ہوتی ہے لہذا مرد کی مضبوطی سے عدم تحفظ (insecurity) کا شکار ہو کر اس جیسی مضبوطی چاہتی ہے، اسے کمزور دیکھ کر۔ اور عورت اپنے طاقتور ہونے سے مایوس ہے، بری طرح مایوس۔ تو عدم تحفظ کے احساس کی دوری کا دوسرا طریقہ پھر یہی ہے کہ مرد اس کے سامنے کمزور پڑ جائے اور یہاں عورت کے رویوں میں پیچیدگی آتی ہے اور اسے اس کی مجبوری سمجھ لیں یا کچھ بھی لیکن بہر حال یہ رویہ ایسا رویہ ہے

کہ اس کی اصلاح ممکن نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں کہا گیا کہ اس کے ٹیڑھ پن کے ساتھ رہنا سیکھو اور اگر اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اس کا توڑنا طلاق ہے۔ عورت کا یہ رویہ مرد کی آزمائش ہے، بس مرد اسے آزمائش سمجھ کر قبول کر لے کہ آپ کی بیوی کا مسئلہ نہیں ہے، عورت کا مسئلہ ہے یعنی پوری نوع کا ٹیکنکل فالٹ ہے، کسی متعین عورت کا نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ عورت کو ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے تو اس ٹیڑھ پن کا اثر کہیں تو نظر آنا ہے ناں۔ تو یہ حدیث بیوی کو طعنہ دینے کے لیے نہیں سنانی بلکہ اسے مارجن دینے کے لیے ذہن میں لانی ہے کہ خود خالق نے اس میں یہ کمزوری رکھ دی ہے تو میں کیا کروں، بس اسی میں میری آزمائش ہے، میں کامیاب ہو گیا تو یہی کامیابی ہے۔

تو ناول ختم نہیں ہوا بلکہ شروع ہوا ہے۔ میرے پاس ہزاروں سوالات انباکس میں پڑے ہیں کہ جن میں سے بلاشبہ سینکڑوں تعلق سے متعلق ہیں۔ اور تعلق میں دونوں کرب میں مبتلا رہتے ہیں لیکن یہ تاثر عام ہو گیا کہ شاید عورت کرب میں زیادہ رہتی ہے بلکہ میری رائے میں مرد کرب میں زیادہ مبتلا رہتا ہے البتہ اللہ نے اسے مضبوط بنایا ہے لہٰذا وہ سہہ جاتا ہے۔ ٹھیک ہے اللہ نے مرد کو بڑا بنایا ہے، لہٰذا اسے ہی بڑا بننا ہے، اسے ہی حوصلہ کرنا ہے، اسے ہی تعلق دینے والی پوزیشن لینا ہے، لیکن اس کی محرومی کا اللہ نے جس طرح سے ازالہ کیا تھا، ہم نے اسے دوبارہ بند کر دیا۔ عورت نے تو ماں بن کر اولاد سے وصول کر لیا بلکہ علیحدگی کے بعد بھی بچے ماں ہی لے جاتی ہے کہ کورٹ اس کو اسپورٹ کرتی ہے۔ باپ کہاں ہے، بس مہینے بعد دو گھنٹے کی ایک ملاقات کروا دیں کہ باپ کو تو تعلق کی ضرورت ہی نہیں ہے، اس کے سینے میں تو جیسے پتھر دھڑکتا ہے۔ میں نے ایسے باپ دیکھے ہیں جو علیحدگی کے بعد ساری ساری رات بچوں کی محبت میں دیوار سے ٹکریں مارتے ہیں۔ تو مرد کو بڑا بنانا ہے تو مذہب کی طرح قانون اور سماج کو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ تعلق کی بقاء اسی میں ہے کہ مرد ایک سے زائد تعلق قائم کریں کہ ایک بیوی نہ تو اسے وہ تعلق دے سکتی ہے جو اس کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت پوری کر سکتی ہے لہٰذا وہ ذہنی خلل (abnormality) میں چلا جاتا ہے۔ تو جو خود ایبنارمل ہو

گا، وہ کیا کسی کو تعلق دے گا! اگر دے دے تو اس کے حوصلے کو داد دینی چاہیے، اور ایسے انسان کی صحبت میں بھی رہیں کہ یہ درجہ خدا سے تعلق کے بغیر ممکن نہیں، ممکن نہیں ہے۔

تو یہ انسان کا کرب ہے نہ کہ میرا ذاتی کرب۔ رائٹر جب تھوڑا بڑا ہو جاتا ہے تو اپنی ذات سے بلند ہو جاتا ہے اور وہ انسان کو سمجھنا چاہتا ہے کہ وہ کیا ہے، اس کا دکھ کیا ہے اور اس دکھ کا ازالہ کیسے ہو گا؟ مجھے انباکس میں ایک لڑکی کہنے لگی کہ آپ کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو دوسری شادی کی ضرورت ہے تو کیا کوئی مالی رکاوٹ ہے؟ میں نے کہا کہ میری تحریروں سے یہی نتیجہ میری بیگم صاحبہ بھی نکال لیتی ہیں لیکن مجھے اللہ کا شکر ہے کہ کوئی مالی ایشو نہیں ہے۔ تو آپ دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ میں نے کہا کہ پہلی بات تو یہ کہ میری تحریر کا تعلق انسان سے ہے، میری ذات سے نہیں۔ اسے اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور اسے سمجھنے کے لیے آپ کو ذرا بڑا ریڈر بننا پڑے گا جس کے لیے کچھ وقت لگے گا۔ دوسرا میرا شادی نہ کرنے کی وجہ پیسہ نہیں ہو گا بلکہ تعلق ہو گا، اپنی بیوی سے تعلق۔ وہ تعلق اتنا گہرا ہے کہ شاید میں کوئی رکاوٹ نہ ہونے کے باوجود بھی نہیں کر پاؤں گا۔ یہ تعلق اتنا مضبوط ہے کہ میں نے اس تعلق میں اپنے گال بھی مٹی میں رگڑے ہیں کہ شاید میں اس سے نکل جاؤں گا لیکن نہیں نکل پایا۔ اور یہ تعلق ایسا کمزور بھی ہے کہ ہمارے مسئلے عدالت تک بھی پہنچے ہیں۔

تو اسی تعلق کو میں آئیڈیل تعلق سمجھتا ہوں کہ آپ اپنے پارٹنر کو یہ کہہ سکو کہ تمہارے ساتھ رہنا مشکل ہے لیکن تمہارے بغیر اس سے بھی مشکل۔ اور پھر یہ کہ ہر جگہ میاں بیوی کے تعلق میں صرف تکلیف ہی نہیں ہوتی بلکہ خوشیاں بھی ہوتی ہیں اور بے شمار ہوتی ہیں جنہیں نہ تو وہ سوچتے ہیں اور نہ ہی شیئر کرتے ہیں۔ یہ دراصل انسانی نفسیات ہے کہ وہ راحت کو بھول جاتا ہے اور تکلیف کو یاد رکھتا ہے۔ تو زندگی عذاب ہوتی نہیں ہے لیکن انسان کے اس گندے مزاج کی وجہ سے عذاب معلوم ہو رہی ہوتی ہے۔ تو اپنی خوشیوں کو یاد کریں اور بار بار کریں۔ آپ کے پارٹنر میں اگر کوئی برائی ہے تو دس اچھائیاں بھی ہیں، انہیں ذہن میں لائیں جیسا کہ قرآن مجید نے بھی کہا کہ اچھائیوں کو ذہن میں لاؤ۔ کوئی بھی شخص شر محض نہیں

ہوتا، اس میں اچھائیاں بھی ہوتی ہیں لیکن دیکھنے والی آنکھ اور تسلیم کرنے والا دل چاہیے ہوتا ہے، جو عموما ہوتا نہیں ہے۔ اور وہ خدا کو سنٹرل ریفرنس بنا لینے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات تو اس تعلق کا آن آف رہنا ہی اس کی خوبصورتی ہے کہ ناراضگی اس تعلق کو دوبارہ زندہ کر دیتی ہے، اس میں جان ڈال دیتی ہے۔ کبھی کبھار تو سوچتا ہوں کہ حوروں کا تعلق بھی کوئی تعلق ہوگا، دنیا کی بیوی کے مقابلے میں کہ جس میں کوئی الجھن ہی نہ ہو۔ چائنہ کی گڑیا کی جی حضوری آپ کو کتنا عرصہ خوش رکھ سکے گی؟ تو زندگی کو دیکھنے کا زاویہ نگاہ بھی بدلیں۔ ذرا دوسرے رخ سے دیکھیں تو وہی زندگی خوبصورت لگنے لگے گی۔ تو خوش ہونے کے لیے حالات کا بدلنا ضروری نہیں ہے، اپنی جگہ بدل لیں تو بھی خوشی نصیب ہو جائے گا کہ جگہ بدلنے سے منظر بدل جاتا ہے۔

اور عورتوں کے بھی مسائل ہیں، ان سے انکار نہیں ہے، ان کا بھی دکھ ہے، جن کا تذکرہ بہت سی عورتیں کرتی ہیں۔ ایک عورت کا کہنا ہے کہ اس کا شوہر اس پر ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ کیسے اس کے ساتھ تعلق قائم کرلے۔ تو میں نے آخر میں مردوں کی ذرا زیادہ حمایت کر دی، مجھے پہلے بھی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی تحریر میں مردانہ نفسیات جھلکتی ہیں۔ تو میں جواب میں ہی کہتا ہوں کہ آپ کو ایک مرد سے یہ امید ہی کیسے لگی کہ وہ عورتانہ نفسیات سے بات کرے گا۔ ظاہر بات ہے ایک مرد، ایک عورت کی طرح کیسے سوچ سکتا ہے، وہ مردوں کی طرح ہی سوچے گا جیسا کہ ایک عورت، عورتوں کی طرح ہی سوچے گی۔ عورتوں کے کرب پر گفتگو کرنے والے بہت لوگ ہیں، آپ کا سارا ادب اور لٹریچر ان کے لیے وقف ہے، مردوں نے ان کے حقوق کے لیے این۔ جی۔ اوز بنالی ہیں۔ تو کیا ہی عورت اور کیا ہی مرد سب اس کو حقوق دلوانے میں لگے ہیں۔ تو اس ماحول میں اگر کوئی نحیف سی آواز مردوں کے حق میں بھی اٹھ جاتی ہے تو کیا قیامت آ جائے گی، لیکن واقعتاً قیامت آ جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کو صرف اپنا دکھ نظر آتا ہے، انہیں یہ بات تو لاجیکل معلوم ہوتی ہے کہ شوہر اگر بیوی سے اس کی مرضی کے بغیر تعلق قائم کرلے تو اس کو ریپ کہا جا سکتا ہے لیکن یہ بات منطقی معلوم نہیں ہوتی ہے

کہ بیوی اگر شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر دے تو یہ سیکچوئل ہراسمنٹ کا کیس بنتا ہے۔ تو ایک صورت تو یہ ہے کہ لین دین کا معاملہ کر لیں، جتنا مرد سے وصول کرتی ہیں، اتنا ہی اس کو لوٹانے کی بھی پابندی کر لیں تو مشرقی عورت تو مر جائے، یہ نہ کرے۔ وہ تو دس سال میں ایک بوسہ نہیں دے سکتی، تعلق کیا خاک دے گی! اور اگر مرد سے آپ نے تعلق لینا ہی ہے تو اسے کچھ تو دینا پڑے گا ناں۔ اور وہ کیا دینا ہے، وہ مذہب نے تو طے کر دیا ہے، اب آپ طے کر لیں۔ تو جو تعلق دینے والا تھا، اسے تو آپ نے تہی دامن کر دیا ہے، ایک فقیر آپ کو کیا دے سکتا ہے! اور اس کے باوجود اگر دے رہا ہے تو اس کی صحبت میں رہنے کو اپنا اعزاز سمجھیں۔

☆☆☆☆☆

نوٹ: تعلق اور محبت کے مسائل میں کاؤنسلنگ لینے کے لیے مصنف کے اس واٹس ایپ نمبر پر بذریعہ واٹس ایپ رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ اپنا مسئلہ واٹس ایپ میسج کر دیں، فرصت میں ریپلائی کر دیا جائے گا۔

WhatsApp No: 0300-4093026

Facebook ID: https://www.facebook.com/hm.zubair.52

Email: mzubair@cuilahore.edu.pk